تراش خراش

باغبانی کا یہ قاعدہ ہے کہ پودوں کی تراش خراش سے وہ وقتی طور پر کم ہوجاتے ہیں مگر پھر تیزی سے بڑھتے ہیں۔بعض اوقات اس کی کسی شاخ پر کیڑا لگ جاتا ہے تو اس کو کاٹ دیا جاتا ہے کہ کیڑا اور نہ پھیلے۔یوں پورا پودا بچ جاتا ہے۔اور وہ شاخ بھی دوبارہ بڑھنے لگتی ہے۔

یہی اس دنیا میں مصائب و آلام کے آنے کی ایک اہم وجہ ہے۔ یہ مصائب و آلام وقتی طور پر انسان کو پیچھے دھکیل دیتے ہیں۔اس کی ترقی کا عمل رک جاتا ہے۔تاہم یہ مصائب اکثر حالات میں عارضی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔لیکن انسان کی قوت برداشت، حوصلے اور ہمت، تجربے اور معلومات کو بڑھا جاتے ہیں۔ایسا انسان دوبارہ زندگی کے میدان میں جب قدم رکھتا ہو تو پہلے سے کہیں زیادہ ترقی کرنے کا اہل ہو جاتا ہے۔

تاہم انسان چونکہ درختوں سے مختلف ہے، اس لیے فطرت کے اس راستے میں اسے ایک کام کرنا ہوتا ہے۔وہ یہ کہ مشکل حالات میں خود کو مایوس ہونے سے بچائے اور مستقبل کی امید پر اپنے حوصلہ کو بلند رکھے۔وہ مشکلات کے سمندر میں امکانات کے ساحل پر نظر رکھیں۔مگر اکثر لوگ مشکل حالات میں گھر کر منفی سوچ کو اپنی نفسیات کا حصہ بنالیتے ہیں۔وہ ایک عارضی نقصان کو اپنی زندگی کا روگ بنالیتے ہیں۔ وہ وقتی ناکامیوں سے گھبرا کر اپنے مستقبل سے مایوس ہوجاتے ہیں۔جس کے بعد ان کا جسم طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہوجاتا ہے اور ان کی نفسیات مستقل طور پر منفی ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں ان کی قوت عمل کو معطل کر دیتی ہیں۔یوں بجائے ترقی کرنے کے وہ لوگ زندگی میں ہمیشہ کے لیے پیچھے رہ جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مصائب کی درست نوعیت کو سمجھ لیا جائے کہ یہ ہمارا حوصلہ اور تجربہ بڑھانے آرہے ہیں تو ان کو ہم ترقی کا ذریعہ بنالیتے ہیں۔نہ سمجھیں تو زندگی کا روگ بنالیتے ہیں۔

خدا کی عطا

خدا اس دنیا کی سب سے بڑی حقیقت کا نام ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ بیشتر انسان اس حقیقت کو ماننے کے بجائے اس سے غافل رہ کر زندگی گزارتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک روز موت ان کی نگاہوں کا پردہ اٹھا دیتی ہے اور وہ ایک ایسی دنیا میں داخل ہو جاتے ہیں جہاں خدا غیب سے ظاہر میں آجاتا ہے۔ مگر اس روز خدا کو ماننا بے معنی ہو جاتا ہے۔

خدا اس دنیا کی ہر نعمت کا مالک ہے۔ وہ ہر کمال کا خالق اور ہر جمال کا صانع ہے۔ وہ ہر ذی روح کا رب اور وہ ہر شکل کا مصور ہے۔ اس نے سورج، چاند اور تاروں کو انسانوں کے لیے مسخر کر رکھا ہے۔ اس نے زمین و آسمان میں رحمتوں کے انبار لگا رکھے ہیں۔ اس نے اپنے بندوں کے لیے جمال و کمال کی ایک ایسی دنیا بسا رکھی ہے جو معلوم کائنات میں کسی جگہ موجود نہیں۔

یہی نہیں جو بندے اس کو دل سے مان کر خود کو اس کے حوالے کر دیں وہ غیب میں ہوتے ہوئے بھی ان کی ہمیشہ دستگیری کرتا ہے۔ وہ سب کی سنتا ہے، مگر ان کی سن کر مان بھی لیتا ہے۔ وہ سب کی خبر رکھتا ہے، مگر ان کی خبر گیری بھی کرتا ہے۔ وہ سب کچھ کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور ان کے لیے واقعتاً سب کچھ کر بھی دیتا ہے۔ وہ سب کو دیتا ہے مگر ان کو دیتا ہی چلا جاتا ہے۔

لیکن امتحان کی دنیا میں وہ یہ سب کچھ پردہ غیب میں رہ کر کرتا ہے۔ اس لیے اپنی رحمت کو ہمیشہ اسباب کے پردے اور تاخیر کے ڈھکنے میں ڈھانک کر انھیں دیتا ہے۔ اس لیے عام لوگوں کو یہ محسوس ہی نہیں ہو پاتا کہ وہ کس کے ساتھ کیا کر رہا ہے۔

مگر ایک دن آئے گا جب وہ علانیہ اپنے بندوں کو نوازے گا۔ سب کے سامنے اور ان کی مرضی کے عین مطابق ان کو دے گا۔ خدا کی یہی شان عطا ہے جس کے لیے یہ دنیا اور آنے والی دنیا بنائی گئی ہے۔ قابل رشک ہیں وہ لوگ جنھوں نے خود کو اس کی عطا کا امیدوار بنا لیا ہے۔

تقدیر اور اجر آخرت

اے ٹی ایم مشین سے پیسے نکال کر جیسے ہی وہ صاحب باہر نکلے خاتون فوراً اندر داخل ہوگئیں اور میں دیکھتا رہ گیا۔ ہوا یہ تھا کہ میں اے ٹی ایم مشین بوتھ کے پاس پہنچا تو وہ صاحب مجھ سے قبل اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سائے میں کھڑے تھے۔ میں ان سے ذرا دور دوپہر کی تیز دھوپ میں کھڑا ہو کر انتظار کرنے لگا۔ اسی اثنا میں خاتون اپنے دو بچوں سمیت گاڑی سے اتر کر باہر نکلیں۔ ان کے قریب آنے سے قبل بوتھ خالی ہوگیا اور مجھ سے آگے کھڑے صاحب اندر چلے گئے۔ خاتون قریب آئیں تو میں نے خود سائے میں جانے کے بجائے ان کو وہاں کھڑے ہونے کا موقع دے دیا۔ تاہم ان خاتون پر بھی یہ بات بالکل واضح تھی کہ اگلا نمبر میرا ہی ہے۔

دھوپ میں انتظار کرتے ہوئے میں یہ طے کر چکا تھا کہ اب خود اندر جانے کے بجائے ان خاتون کو موقع دوں گا۔ مگر جب بوتھ کا دروازہ کھلا اور پیسے نکال کر وہ صاحب باہر نکلے خاتون فوراً اندر داخل ہوگئیں اور میں دیکھتا رہ گیا۔ مجھے افسوس ہوا۔ اپنے پیچھے رہ جانے پر نہیں۔ کیونکہ وہ تو میں پہلے ہی طے کر چکا تھا۔ افسوس ان کے پیچھے رہ جانے پر ہوا۔ انھیں وہی ملا جو اللہ تعالیٰ انھیں میرے ذریعے سے دینے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ مگر انھوں نے وہ اپنی چالاکی سے لینا چاہا۔ حق تلفی پر مبنی ایسی چالاکی انسان کو خدا کی نظر میں بہت پیچھے کر دیتی ہے۔

اِسی مثال سے وہ قانون سمجھا جا سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ اس دنیا کو چلا رہے ہیں۔ یہاں تمام فیصلے اللہ تعالیٰ خود کرتے ہیں۔ ان کے اسباب البتہ انسان جمع کرتے ہیں۔ ان اسباب کو جمع کرتے ہوئے وہ اخلاقی اصولوں کو پامال کریں گے تو ایسا نہیں ہوگا کہ اپنی تقدیر سے کچھ زیادہ لے لیں گے۔ انھیں ان کی تقدیر ہی ملے گی، لیکن آخرت کی پکڑ کے ساتھ۔ اور جو لوگ اخلاقی اصولوں کی پاسداری کریں گے۔ انھیں بھی ان کی تقدیر ہی ملے گی، مگر آخرت کے اجر کے ساتھ۔

جب چمڑی ادھیڑ دی جائے گی

یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جنھوں نے خدا کے دین کی سچائی کو بیان کرنے کے لیے اپنے شاندار کیریئرز کو قربان کر کے پوری زندگی اس کام کے لیے وقف کر دی۔ ہر قسم کے قومی اور فرقہ وارانہ تعصب سے بلند ہو کر صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلایا۔ اس راہ میں اپنے کسی تعصب کو حائل ہونے دیا نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کی۔ جب کسی خواہش پرست نے دین کو اپنی خواہشات کے تابع کر کے بیان کرنا چاہا تو پوری قوت سے اس کی راہ میں کھڑے ہو گئے۔ شہرت اور مقبولیت کو قربان کر دیا۔ گالیاں کھائیں، برا بھلا سنا، قادیانت، یہودیت، منکر حدیث غرض کون سی مذہبی گالی نہیں سنی۔

مگر جب بھی کوئی بے گناہ اسلام کے نام پر مارا جاتا ہے وہ لرز اٹھتے ہیں کہ عالم کا پروردگار روز قیامت مقتول کے مقدمے کا فیصلہ کرتے وقت ان سے کوئی سوال نہ کر لے۔ وہ ان سے پوچھ نہ لے کہ تمھارے ہوتے ہوئے میرے نام پر یہ سب کچھ کیوں ہوا۔ جواب دہی کے احساس سے ان کی کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ مگر کتنے عجیب ہیں وہ لوگ جن کے نظریات، تقریروں، تحریروں، تاویلوں اور مصلحانہ خاموشی کی وجہ سے اسلام کے نام پر مسلسل بے گناہوں کو مارا جاتا ہے۔ ان کو کبھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ خدا کے نام پر کھڑے ہیں۔ رب العالمین لازماً ان سے پوچھا گا کہ تمہارے ہوتے ہوئے یہ کیوں ہو رہا تھا۔ مگر اس احساس سے ان کی نیندیں نہیں اڑتیں۔ ان کی پیشانی پر پسینہ نہیں آتا۔

شاید اس کا سبب یہ ہے کہ انھوں نے عالم کے پروردگار کو معاذ اللہ اپنے جاہل پیروکاروں کی طرح سمجھ رکھا ہے۔ وہ ایک توجیہہ پیش کریں گے اور اللہ تعالیٰ مان لیں گے۔ پاک ہے عالم کا پروردگار اس طرح کی بے ہودگیوں سے۔ وہ عزیز ذوانتقام ہے۔ اس کی آگ چمڑی ادھیڑنے کے فن کی ماہر ہے۔ سو جو لوگ اب بھی باز نہیں آتے وہ انتظار کریں اس دن کا۔ جب ایسی موٹی کھال والوں کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دی جائے گی۔

بداور بدنام

ممتاز قادری کے چہلم کے بعد اسلام آباد میں ایک دھرنا ہوا۔ اس دھرنے کے شرکاء کی بعض تقریریں اور گفتگو جب سوشل میڈیا پر سامنے آئیں تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس کا سبب ان میں دی گئی گالیاں اور ناشائستہ گفتگو تھی۔ یہ طرز گفتگو بلاشبہ قابل مذمت ہے۔ لہٰذا ہر طبقہ فکر کی طرف سے اس کی مذمت کی گئی اور بجا طور پر کی گئی۔ تاہم ایک دوسری حقیقت ایسی ہے جس سے ہمیں صرف نظر نہیں کرنا چاہیے۔

وہ یہ کہ مذہبی شخص گالی بکے تو بلاشبہ وہ مذہب کی بدنامی کا سبب ہے۔ مگر یہ چیزوں کو دیکھنے کا ہمارا انداز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ بڑا جرم یہ ہے کہ مذہبی انسان الزام و بہتان لگائے، وہ جھوٹ بولے اور جھوٹ پھیلائے، وہ بے گناہوں کے قتل پر اکسائے، قاتلوں کی حمایت یا پردہ پوشی کرے یا ایسے جرائم پر خاموش رہے۔ وہ اپنی خواہشات اور تعصّبات کو دین بنا کر پیش کرے۔ وہ فرقہ پرست ہو اور اپنے فرقے اور گروہ سے باہر حق قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ وہ حق کی شہادت دینے کے بجائے کتمان حق یعنی حق کو چھپانے کا مرتکب ہو۔

اپنی بات کی وضاحت کے لیے ہم اس چیز کو بطور مثال بیان کریں گے جو ہمارے ہاں ایک مذہبی عالم کے لیے سب سے ہلکی سمجھی جاتی ہے۔ یعنی کسی سچائی کو اپنے مفادات یا تعصّبات کی بنا پر چھپا لینا اور نہ بیان کرنا یعنی کتمان حق۔ اس رویے پر اللہ تعالیٰ نے جس غیض و غضب کا اظہار کیا ہے، اس کا معمولی سا اندازہ بھی کسی کو ہو جائے تو آدمی ساری دنیا سے لڑ کر، اپنے ہر تعصب سے اوپر اٹھ کر حتیٰ کہ اپنی جان دے کر بھی سچ بولے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''بے شک جو لوگ اس چیز کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں اتاری ہے اور اس

کے عوض حقیر قیمت قبول کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھر رہے ہیں۔ اللہ ان لوگوں سے قیامت کے دن نہ تو بات کرے گا نہ ان کو پاک کرے گا۔ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کو گمراہی پر اور عذاب کو مغفرت پر ترجیح دی۔ کیسے جری ہیں یہ لوگ دوزخ کے معاملے میں۔''،(البقرہ2:175-174)

یہ اُس چیز کا معاملہ ہے جو ہمارے ہاں معمول کی بات ہے اور جس کا مظاہرہ ہم صبح وشام دیکھتے ہیں۔ مگر اللہ کے نزدیک یہ کتنی اہم ہے اس کا اندازہ اس وعید سے کیا جا سکتا ہے۔ اس وعید کا سبب یہ ہے کہ سچائی کے معاملے میں علماء کی خاموشی عام لوگوں کی گمراہی کا سبب بنتی ہے۔ یہی معاملہ ان باقی رویوں کا بھی ہے جو ہمارے روزمرہ کے معمولات میں شامل ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک وہ بہت بڑی برائی ہیں۔ ان کی تفصیل اور ان پر وعیدیں قرآن وحدیث میں جگہ جگہ دیکھی جا سکتی ہیں۔

بہرحال یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اپنے مذہبی پیشواؤں کو پیغمبر سمجھنے کے بجائے ہم حق کی روشنی میں ان کا جائزہ لیں۔ ان کے خیر وشر کا فیصلہ کرتے وقت بلاشبہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ گالیاں تو نہیں دیتے۔ مگر زیادہ اہم بات یہ دیکھنا ہے کہ وہ ان دیگر پیمانوں پر بھی پورا اترتے ہیں یا نہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائے ہیں۔ یہ پیمانے ڈھونڈنے کے لیے ہمیں عالم ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ سب معیارات قرآن مجید میں درج ہیں۔ اصل ضرورت اس حوالے سے حساس ہونے کی ہے۔ کیونکہ ایسے سارے لیڈر اور ان کے پیشوا روز قیامت گالیاں دینے والوں سے زیادہ رسوائی اٹھائیں گے۔ چاہے وہ آج ہمارے نزدیک کتنے ہی معزز کیوں نہ ہوں۔

برسلز دھماکوں کے بعد

پشاور سے لے کر استنبول اور پیرس سے لے کر اب برسلز میں ہونے والے بم دھماکے اس بات کا واضح اعلان ہیں کہ شیطان اپنے مشن میں یکسو اور بہت حد تک کامیاب جارہا ہے۔ مگر اس کی کامیابی کی ایک وجہ ہے۔ وہ سمجھنا زیادہ اہم ہے۔

شیطان کو اپنے مشن میں سب سے بڑی شکست سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی جاںنثاروں نے اس وقت دی جب انھوں نے ایمان واخلاق کی دعوت کا ایک زندہ نمونہ دنیا کے مرکز یعنی مشرق وسطیٰ میں پیش کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی جزا ان کو اس طرح دی کہ دنیا کا اقتدار ان کے حوالے کر دیا۔ یوں وہ عظیم مسلم ایمپائر اور اسلامی تہذیب وجود میں آئی جس سے متاثر ہو کر تمام عرب اور بیشتر متمدن دنیا نے اسلام قبول کرلیا۔ تاہم شیطان نے صدیوں کی جدوجہد کے بعد عباسی عہد کے اختتام پر مسلمانوں کو ایمان واخلاق کی پستی میں مبتلا کر دیا۔ سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے عربوں سے دنیا کا اقتدار چھین کر پہلے صلیبیوں اور پھر تاتاریوں کو ان پر مسلط کر دیا۔

اس کے بعد مسلمانوں نے اپنے ترکش کا دوسرا تیر استعمال کیا۔ وہ خود تو مغلوب ہو گئے مگر اسلام کی دعوت کو زندہ کر دیا۔ یوں دو صدیوں کے اندر ایک دفعہ پھر بطور انعام دنیا کا اقتدار ان کو دے دیا گیا۔ مگر اس دفعہ عربوں کے بجائے امامت عالم کے منصب پر غیر عرب مسلمان فائز ہوئے۔ عالم عجم میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا۔ شیطان کو چین کیسے آتا، اس نے پھر محنت شروع کر دی۔ مسلمان پست ہوئے تو ایک دفعہ پھر اللہ کی سزا آ گئی۔ اس دفعہ یورپی اقوام بطور سزا مسلمانوں کے اوپر مسلط کر دی گئیں۔ شیطان چونکہ تجربے سے سیکھتا ہے، اس لیے اس دفعہ اس نے اسلام کی دعوتی قوت کو حرکت میں آنے سے روکنے کا بھی بھرپور انتظام کیا۔

اس کی شکل یہ تھی کہ اس نے مسلمانوں میں اہل مغرب کی شدید ترین نفرت پیدا کر دی۔ اس

نے نفرت کی سوچ کو ایک نظریہ بنا دیا۔ جس کے بعد مسلمانوں کی پوری لیڈر شپ دہشت گردی کی خرابیوں کو سمجھنے کے باوجود صرف مغرب کی نفرت کی بنیاد پر دہشت گردوں کی علانیہ اور خاموش، بالواسطہ اور بلاواسطہ حمایت کیے جارہی ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تاتاریوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ چند صدیوں پہلے کیا تھا، اہل مغرب نے اس کا عشر عشیر بھی نہیں کیا تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آج کے مسلمان تاتاریوں کے ہاتھوں پٹے ہوئے مسلمانوں کی طرح صبر اور دعوت کو اختیار کرلیں تو پوری مغربی دنیا چند عشروں میں سرکار دوعالم کے قدموں میں گری ہوئی ہوگی۔ مگر شیطان مسلم لیڈر شپ کی آنکھوں پر پٹی باندھ چکا ہے۔ وہ کچھ دیکھنے اور سننے کے لیے تیار نہیں۔ آپ جس مذہبی شخص سے بات کریں، وہ فوراً اہل مغرب کے ظلم کی داستان سنادے گا۔ حالانکہ تاریخ سے نہ سہی کم از کم اقبال کے ذریعے سے سب جانتے ہیں کہ فتنہ تاتار سے کعبہ کو صنم خانے سے اپنے پاسباں کیسے ملے تھے۔ کیا لوگ نہیں جانتے کہ تاتاریوں نے عالم اسلام پر قبضہ ہی نہیں کیا تھا اس کو قبرستان میں بھی تبدیل کردیا تھا۔ جو بچے وہ ذلت کی چکی میں پسے۔ ان کی عورتیں تاتاریوں کے بستروں کی زینت بنیں اور ان کی اولاد تاتاریوں کے غلام ۔ مگر اس کے باوجود مسلمانوں نے نفرت کے بجائے دعوت کی راہ اختیار کی اور دیکھتے ہی دیکھتے دنیا بدل گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کو تاریخ کا یہ سبق بتانا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ایمان واخلاق اور دعوت کے بغیر دنیا پر غلبے کا خواب کبھی اپنی تعبیر نہیں پاسکتا۔ یہ صرف اور صرف شیطان کے مشن کو فروغ دے گا۔ یہ دنیا بھر میں دہشت گردی، ہمارے ہاں انتہا پسندی اور مغرب میں ڈونلڈ ٹرمپ جیسے لوگوں کو بڑھاوا دے گا۔ جس کے بعد مسلمانوں کے ساتھ وہ ہوگا جس کا وہ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ مگر ابھی بھی وقت ہے۔ کاش مسلمان خدا کے قہر کی اگلی قسط آنے سے پہلے سنبھل جائیں۔ اے کاش۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسلام ازم کیا ہے؟

ہمارے ہاں دانشورانہ حلقوں میں مختلف فکری اصطلاحات کے مفہوم اور استعمال کے حوالے سے ایک بحث جاری ہے۔ایسی ہی ایک اصطلاح اسلام ازم اور اسلامسٹ ہیں۔اس عاجز کی توجہ اور زندگی کا اصل مقصد ایمان واخلاق کی اس دعوت کو زندہ کرنا ہے جس پر اصلاً انسانوں کی نجات موقوف ہے،اس لیے یہ فقیر کوشش کر کے ان فکری مباحث سے دور ہی رہتا ہے۔لیکن اب اس بنیاد پر ہمارے ہاں لوگوں کے نقطہ نظر سے بڑھ کر پروردگار کے نزدیک لوگوں کی ایمانی حیثیت بھی زیر بحث آرہی ہے، اس لیے یہ عاجز ضرورت محسوس کرتا ہے کہ علمی طور پر اس اصطلاح کا مفہوم واضح کر دیا جائے۔

اسلام ازم یا اسلامسٹ مسلمانوں کی بنائی ہوئی کوئی اصطلاح نہیں ۔دراصل بیسویں میں مذہبی بنیادوں پر مسلمانوں کے احیاء کی دو بنیادی تحریکیں اٹھیں یعنی سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی جماعت اسلامی اور شیخ حسن البناء کی اخوان المسلمون۔ان تحریکوں نے احیائے اسلام کے تصور کو ایک فکری اساس عطا کی اور دنیا بھر کے اسلام پسند عناصر کو متاثر کیا۔اہل مغرب نے اس فکر اور اس سے پیدا ہونے والی عملی تحریکوں یا ایکٹوازم کو جب سمجھنے کا عمل شروع کیا تو اپنی فکری روایت کے مطابق اس مظہر کو اصطلاحات کے دائرے میں لانا چاہا۔چنانچہ اس کے لیے چند اصطلاحات استعمال کی گئی جو درج ذیل ہے۔

Political Islam, Radical Islam, Islamic Revivalism, Islamic Extremism , Islamo-Fascism, Islamic Fundamentalism, Jihadism

جن لوگوں کے لیے یہ اصطلاحات ایجاد کی گئی تھیں،ان کا تو خیر ان اصطلاحات کو پسند کرنے کا کوئی سوال نہیں تھا،مسلمانوں کے عام فکری حلقوں نے بھی بالعموم ان اصطلاحات کو قبول نہیں کیا۔ البتہ اسلام ازم اور اسلامسٹ کی اصطلاح کو مسلمانوں کے فکری حلقوں نے اس پہلو سے قبول کر لیا کہ

اصلاً اس کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ اسلام کی تعلیم انفرادی کے ساتھ ساتھ زندگی کے اجتماعی پہلوؤں میں بھی رہنمائی کرتی ہیے۔ ظاہر ہے کہ یہ تصور مغربی فکر سے متاثر ہو کر مذہب کو صرف ذاتی زندگی کے محدود سمجھنے والے اقلیتی مسلمانوں کے برعکس بیشتر مسلمانوں کی رائے ہے۔

تاہم اسلامسٹ کی تعبیر کو قبول کرنے سے ہمارے ہاں ایک کنفیوژن پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ اسلام کی تعبیر کو اجتماعی زندگی میں بھی رہنما ماننے والے بھی دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو اجتماعی سطح پر دین کے نفاذ کو دین کا نصب العین سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ ایک قلیت کا اقتدار پر قابض ہو کر اپنے فہم دین کو اجتماعی طور پر نافذ کرنا بالکل درست ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر پوری دنیا پر مسلمانوں کا غلبہ قائم کرنا ان کی مشن اسٹیٹمنٹ کا حصہ ہے۔

جبکہ دوسرا گروہ ہے جو دین کی تعلیمات کو اجتماعی پہلوؤں سے متعلق مانتے ہوئے یہ نقطہ نظر رکھتے ہیں کہ نہ یہ دین کا نصب العین ہے کہ ایک عام فرد اجتماعی سطح پر دین کے نفاذ کی جدوجہد کرے نہ کسی اقلیت کا بالجبر اپنا نقطہ نظر باقی مسلمانوں پر ٹھونس دینا درست ہے۔ وہ فطری طریقے سے اجتماعی سطح پر دین کے ظہور کے قائل ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے کسی علاقے میں جب نماز پڑھنے والے لوگ جمع ہو جاتے ہیں تو ایک مسجد خود بخود بن جاتی ہے۔ کچھ لوگ اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہیں اور باقی لوگ تائید اور مدد کر دیتے ہیں۔ شرط یہ ہے کہ لوگوں کو نماز دلچسپی ہو۔ اگر نماز سے دلچسپی نہیں تو مسجد سے بھی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر اسلام کا شعور رکھنے والے لوگ کسی معاشرے میں موجود ہیں تو پھر اجتماعی سطح پر اسلامی قوانین کا ظہور خود بخود ہو گا۔ اگر یہ نہیں ہو رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں میں اسلامی تعلیمات کا درست شعور ہی نہیں ہے۔ ایسے میں اوپر سے اسلام ٹھونسنے سے منافقت کے سوا کچھ اور جنم نہیں لے گا۔

جو پہلا گروپ ہے اس میں سے کچھ لوگ اجتماعی سطح پر نفاذ اسلام کو دین کا نصب العین تو سمجھتے

ہیں لیکن اس میں جبر کے قائل نہیں۔ وہ اس کے لیے جمہوری طریقے اختیار کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اس پہلو سے وہ دوسرے گروہ سے قریب ہیں۔ تاہم دین کی سیاسی تعبیر ان کے لیے نصب العین کی حیثیت رکھتی ہے۔ یوں گویا یہ دوشاخیں ہوگئیں۔ دونوں میں مشترک یہ چیز ہے کہ اسلام کو اجتماعی طور پر نافذ کرنا فرد کا نصب العین ہے۔ جس کو پورا نہ کرنے پر اسے قیامت کے دن جواب دہ ٹھہرایا جائے گا۔ ان میں سے ایک گروہ جبر کا اور دوسری جمہوریت کا قائل ہے۔ اہل مغرب اسلامسٹ کی اصطلاح ان دونوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں یہ اصطلاح غلطی سے ان تمام لوگوں کے لیے استعمال کر دی جاتی ہے جو دین کی تعلیم کو فرد کے ساتھ اجتماعی پہلو سے بھی متعلق اور قابل عمل مانتے ہیں۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اصلاً یہ اصطلاح دین کی سیاسی تعبیر کے حاملین کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ یہ تعبیر پہلے مسلم معاشروں اور پھر پوری دنیا میں دین کے سیاسی غلبے کی علمبردار ہے۔ ظاہر ہے کہ پہلے مرحلے میں تو یہ کام جمہوری طریقے سے ممکن ہے، مگر دنیا پر مسلمانوں کا غلبہ جنگ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس فکر کی آخری منزل دنیا سے ایک فیصلہ کن ٹکراؤ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب اس فکر کے حاملین کو جمہوری طریقے سے بھی غالب آتا دیکھ کر خائف ہو جاتے ہیں۔

اس کے برعکس دوسرا گروہ ہے جو چاہتا ہے کہ اسلام کا حکم ہر اس جگہ چلے جہاں پروردگار نے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ معیشت، معاشرت، سیاست اور ہر پہلوئے زندگی پر وہ اسلام کی بادستی کا قائل ہے۔ لیکن اس کے لیے وہ تعلیم و تربیت کا طریقہ درست سمجھتا ہے۔ باقی دنیا کے معاملے میں بھی وہ ٹکراؤ کہ بجائے دعوت کو درست راستہ سمجھا ہے۔

چنانچہ یہاں نہ جبر کا کوئی سوال ہے، نہ ایک عام فرد پر وہ غیر فطری ذمہ داری عائد کی جاتی ہے کہ نفاذ اسلام کے لیے لازماً کسی جماعت میں شامل ہو جاؤ یا پھر اپنی جماعت بنا کر یہ کام کرو۔ نہ

دنیا سے وہ غیر ضروری ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے جو کمزوری کی موجودہ حالت میں مسلمانوں کے لیے انتہائی تباہ کن ہے۔ اس طبقے کو اردو میں اسلام پسند تو کہا جا سکتا ہے، مگر جس مفہوم میں اہل مغرب اسلامسٹ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، وہ ان کے لیے موزوں نہیں۔ اہل علم و دانش کو اس بنیادی فرق کو سمجھ کر مکالمہ کرنا چاہیے۔ ورنہ کنفیوژن بڑھتا رہے گا۔ اسی طرح یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس دوسرے گروہ کو کسی پہلو سے پہلے گروہ سے کم مخلص یا مغرب سے متاثر سمجھنا ایک ظلم ہے جس کی جواب دہی روز قیامت کرنا ہوگی۔

نوٹ: اس موضوع پر مغربی اہل علم کا نقطہ نظر جاننے کے لیے جن کتابوں کا مطالعہ مفید رہے گا ان میں سے دو اہم کتابیں درج ذیل ہے۔ دلچسپی رکھنے حضرات ان کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

Islamism: A Documentary and Reference Guide by John Calvert
The Failure of Political Islam by Olivier Roy

سلسلہ روز وشب

ابو یحییٰ

ہم خوش قسمت ہیں

آسان ترین دور

انسانی تاریخ پر نظر رکھنے والے لوگ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس دور میں ہم جی رہے ہیں، اس میں سائنس اور سماجیات کی ترقی نے زندگی کو اتنا آسان بنا دیا ہے جتنا پہلے کبھی نہیں تھا۔ آج ہم موسموں کو خود کنٹرول کرتے ہیں۔ سخت سردی میں ہیٹر اور سخت گرمی میں ائیر کنڈیشننگ سسٹم کی وجہ سے ہم سردی گرمی سے بے نیاز ہو چکے ہیں۔ ہماری تاریک راتیں اب دن کی طرح روشن رہتی ہیں اور مہینوں کے طویل فاصلے چند گھنٹوں کے آسان سفر میں بدل چکے ہیں۔ ہم پردیس میں مقیم رشتہ داروں سے آمنے سامنے اور جب چاہیں بات کر سکتے ہیں۔ گھر سے نکل کر ہم دفتر جائیں، راستے میں ہوں یا پھر دنیا میں کہیں موجود ہوں، ہمارے گھر والے موبائل فون سے ہمہ وقت ہم سے رابطے میں رہتے ہیں۔

سماجی سطح پر اسی نوع کی تبدیلیوں نے زندگی کو بہتر بنا دیا ہے۔ ہم اپنے ملک کی بات چھوڑ دیتے ہیں جہاں اس حوالے سے ہمیں بہت سفر طے کرنے کی ضرورت ہے، مگر مہذب دنیا میں قانون کی نظر میں ایک حکمران اور عام شہری برابر ہو چکے ہیں۔ معاشرتی سطح پر انسانیت کی سب سے بڑی کامیابی غلامی کا خاتمہ ہے جس میں کسی بھی مرد و عورت کو پکڑ کر لونڈی غلام بنا لیا جاتا ہے۔ آج کے دور میں یہ ایک ناقابل تصور بات ہے۔

مذہبی آسانیاں

سماجی سطح کی ایک اور بڑی تبدیلی یہ ہے کہ اب لوگوں کو آزادی حاصل ہے کہ جو عقیدہ چاہیں

رکھیں اور جس مذہب کے طریقے پر چاہیں عبادت کریں۔حقیقت یہ ہے کہ انسانی تاریخ کے بیشتر حصے میں ایک عام انسان کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ بادشاہ یا ریاست کے مذہب سے ہٹ کے کوئی اور مذہب اختیار کرسکے۔لوگ جب پیغمبروں کی دعوت قبول کرتے تھے تو ان پر بدترین ظلم وستم کیا جاتا تھا۔ان کو بے رحمی سے قتل کردیا جاتا۔ان کے مال اور آبرو پر حملہ کیا جاتا۔ان کو گھر اور وطن چھوڑنے پر مجبور کیا جاتا مگر آج اللہ تعالیٰ نے یہ آسانی پیدا کردی ہے کہ ہم جہاں چاہیں رہیں اور اپنے مذہب پر جس طرح چاہیں عمل کریں کوئی چیز اس امر میں مانع نہیں۔

یہی نہیں بلکہ ہمیں اس چیز کی بھی مکمل آزادی ہے کہ ہم غیر مسلم ممالک میں رہتے ہوئے ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ان تک حق کا پیغام پہنچائیں۔وہ دعوت حق قبول کریں یا نہ کریں یہ ان کی مرضی لیکن ہمارے لیے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہمیشہ سے زیادہ آسان ہوگیا ہے۔

اس میں ایک مزید اضافی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انفارمیشن ایج کے ذریعے وہ آسانیاں پیدا کردی ہیں کہ ہم بہت کم کوشش کے ساتھ بہت بڑے پیمانے پر سچائی کو تمام انسانیت تک پہنچا سکتے ہیں۔جبکہ اس سے قبل صرف اپنی قوم تک بات پہنچانے کے لیے لوگوں کی ساری زندگی بھی کافی نہ تھی۔

اندر کی لڑائی

ہمارے لیے اب ایک عظیم موقع پیدا ہو چکا ہے کہ ہم ان آسانیوں کو محسوس کریں اور دین پر عمل کرنے اور دین کو پھیلانے کے حوالے سے جو ہماری ذمہ داری ہے اس کو ادا کرنے کی پوری کوشش کریں۔تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ کچھ مشکلات ابھی باقی ہے جن کو دور کیے بغیر ہم یہ کام نہیں کرسکتے۔لیکن ان مشکلات کا تعلق خارج سے نہیں بلکہ ہماری اپنی ذات سے ہے۔یعنی اب مسئلہ باہر کا نہیں ہمارے اپنے اندر کا ہے۔اگر ہم اپنے آپ سے لڑ کر کچھ معاملات میں ایک

اصولی موقف اختیار کرلیں تو ہم بہت آسانی کے ساتھ ایک اچھی دین دارانہ زندگی گزار سکتے ہی اوراللہ کا دین دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں۔لیکن ہم اپنے آپ سے نہیں لڑے تو پھر آج بھی جنت کی منزل اتنی ہی دور رہے گی جتنی وہ پہلے کبھی رہی تھی۔اپنی ذات کے حوالے سے یہ دو بنیادی مسائل ہیں جن سے ہم کو خود لڑنا ہوگا۔ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

خواہشات سے اوپر اٹھنا

دور جدید کی آسانیوں نے ایک مسئلہ پیدا کردیا ہے کہ آخرت کی جس کامیابی کی طرف مذہب بلاتا ہے، ان آسانیوں نے اس کامیابی کو نظر سے اوجھل کرکے دنیا کی کامیابی ہی کو ہمارا مقصد زندگی بنادیا ہے۔آج زندگی بہت خوبصورت ہوچکی ہے۔دنیا کی رونقیں بہت بڑھ چکی ہیں۔ایک زمانے میں جو نعمتیں بادشاہوں کو حاصل نہ تھیں وہ عام لوگوں کی دسترس میں آچکی ہیں۔خوبصورت گھر، بیش قیمت فرنیچر، شاندار گاڑی، کیرئیر، بینک بیلنس، فارن ٹورز غرض ان تمام چیزوں نے انسانوں کی نظروں کو چکا چوند کررکھا ہے۔ہر شخص انھی کے پیچھے بھاگے چلا جارہا ہے۔مگر ان چیزوں کی ایک قیمت ہوتی ہے۔وہ قیمت خود انسان کا اپنا وجود ہے۔اس کا وقت ہے۔اس کی توانائیاں ہیں اور سب سے بڑھ کر اس کی توجہ اور یکسوئی ہے۔

ایک شخص ان چیزوں سے بچنا بھی چاہے تو معاشرے میں لگی دوڑ اسے مجبور کردیتی ہے۔ہر طرف لوگ ''الھکم التکاثر'' کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ہر طرف بہتات اور دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ ہے۔یوں آدمی سماجی دباؤ میں آکر اس دوڑ کا حصہ بن جاتا ہے۔وہ نہ بنے تو اس کے گھر والے اسے گھیسٹ کر اس سمت لے جاتے ہیں۔

گویا آج خواہشات کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے۔دوسرے سے آگے بڑھنے کی ایک ریس ہے جس میں ہر شخص شریک ہے۔معیار زندگی کو بلند کرنے کا ایک ذوق ہے جس کی کوئی آخری حد

ہی نہیں آتی۔ خواہشات کی یہ دوڑ اگر جاری رہے گی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ پھر انسان آخرت کی کامیابی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے گا۔

اس صورتحال کا علاج یہ ہے کہ انسان ایک اصول اور مضبوط فیصلہ کر لے۔ وہ ایک خاص سطح پر اپنے معیار زندگی کو منجمد کر لے۔ یہ طے کر لے کہ اسے آخرت کا معیار زندگی بلند کرنا ہے۔ اور دنیا میں بس ضروریات کی سطح پر رہنا ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ اپنا فضل کر دیں تو وہ یقیناً بہت اچھی زندگی گزارے اور دوسروں کو بھی دے۔ مگر اسے مقصد بنا کر معیار زندگی کو بلند کرنے کی دوڑ میں لگے رہنا ہلاکت کے مترادف ہے۔ اصل چیز آخرت کی سربلندی کو زندگی کا مقصد بنا لینا ہے۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے۔

تعصّبات سے بلند ہونا

دور جدید میں ایک دوسری لڑائی یہ لڑنا ہوگی کہ مذہب کے نام پر رائج فرقہ واریت سے اوپر اٹھ کر سچائی کو دریافت کرنا ہوگا۔ ہمارے ہاں ہر شخص کسی نہ کسی فرقے سے متعلق پیدا ہوتا ہے۔ اس کا گھرانہ عام طور پر کسی مخصوص فرقے سے وابستہ ہوتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسانوں کے تعصّبات وجود میں آجاتے ہیں۔

یہ نہ بھی ہو تو ہوش سنبھالنے پر انسان کسی نہ کسی فکر سے وابستہ ہو جاتا ہے۔ وہ کسی نقطہ نظر کو اختیار کر لیتا ہے۔ اس کا ایک خاص ذہنی سانچہ وجود میں آجاتا ہے۔ ان سب چیزوں سے بھی انسانوں کے تعصّبات جنم لیتے ہیں۔ ان تعصّبات کے بعد انسان اکثر اس قابل نہیں رہتا کہ حق اور سچائی کو اختیار کر سکے۔ وہ اپنے خاص نظریے، زاویے اور اپنی عینک سے دنیا کو دیکھتا ہے۔

ایسے میں بارہا سچائی خود چل کر اس کے پاس آتی ہے، مگر وہ اسے ٹھکرا دیتا ہے۔ وہ حق کو صرف اس وجہ سے رد کر دیتا ہے کہ وہ اس کے لیے نئی یا مختلف بات ہوتی ہے۔ وہ اس کے

پیدائشی تصورات یا ابتدائی خیالات سے مطابقت نہیں رکھتی۔ یہ بھی اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔

اس صورتحال سے نمٹنے کا راستہ یہ ہے کہ انسان یہ جان لے کہ جس طرح وہ عمل کے امتحان میں ہے اسی طرح وہ فکر کے امتحان میں بھی ہے۔ جس طرح ایک یہودی اور عیسائی کے لیے آزمائش یہ ہے کہ اسلام کی سچائی اس کے پاس آئے تو وہ اس پر سنجیدگی سے غور کرے، ٹھیک اسی طرح ایک مسلمان کا امتحان یہ ہے کہ اپنے فرقے اور تعصب سے اوپر اٹھ کر حقیقت کو دریافت کرے۔ اس امتحان سے گزرے بغیر آخرت کی نجات ممکن نہیں۔

اس سلسلے میں جو آج جو سب سے بڑی آسانی ہے وہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے وہ بنیادی شرائط ہمارے سامنے رکھ دی ہیں جو ان کے نزدیک کامیابی کا معیار ہیں۔ وہی حق ہے۔ وہی آخری سچائی ہے۔ وہی اخروی کامیابی کا معیار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خود اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے۔

ہم نے اپنی کتاب ''قرآن کا مطلوب انسان'' میں یہ معیارات خود کلام الٰہی کی آیات کی شکل میں بیان کر دیے ہیں۔ اب گویا اس اصل معیار کو جاننے کے لیے پورا قرآن پڑھنے کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ چند مقامات کا مطالعہ ہی یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ نجات کس بنیاد پر ملتی ہے اور اصل حق اللہ کے نزدیک کیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی قرآن مجید کا ہر لفظ ہدایت ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ وہ مینارہ نور ہے جو چودہ سو برس سے ہماری رہنمائی کر رہا ہے اور تا قیامت کرتا رہے گا۔

ہم خوش قسمت ہیں

ہماری خوش قسمتی یہیں تک محدود نہیں کہ آج نجات کا راستہ ہمیشہ سے بڑھ کر آسان ہو چکا

ہے۔ اسلام قبول کرنے اور اسلام کی تعلیم کو اختیار کرنے کے نتیجے میں ہمیں کسی سختی، مشقت اور اذیت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ریاست ہمارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھاتی۔ حتیٰ کہ غیر مسلم ممالک میں اپنے بنیادی اسلامی شعائر کو علانیہ ادا کرنے کی مکمل آزادی ہے۔

اس سے بڑھ کر ایک اور عظیم موقع ہم کو مل چکا ہے جس کی طرف اوپر سرسری اشارہ ہم نے کیا تھا۔ وہ یہ کہ شہادت حق کا وہ کام جس کا اجرا انتہائی غیر معمولی ہے اور اسلام کی دعوت دوسروں تک پہنچانے کا وہ راستہ جس پر چلنا ہمیشہ کانٹوں پر چلنے کے مترادف رہا ہے، آج بہت آسان ہو چکا ہے۔ اس مقصد کے لیے انفارمیشن ایج کے ذرائع کو استعمال کر کے اور آزادی پر مبنی سماج کو استعمال کر کے پرامن طور پر پوری دنیا تک اسلام کا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔

اس کام کا اجرا اتنا غیر معمولی ہے کہ انسان بہت معمولی سی اضافی محنت کے ساتھ وہ درجات حاصل کرسکتا ہے جو صرف بدترین حالات میں حضرات انبیاء کے ساتھ دینے والے صدیقین کو نصیب ہوتے ہیں۔ گویا اس اعتبار سے ہم انتہائی خوش نصیب ہیں کہ بہت تھوڑی سی کوشش کے بعد وہ سب کچھ مل سکتا ہے جو ہزار بادشاہتوں سے بڑھ کر ہے۔ نہ ماریں کھانا پڑیں گی۔ نہ جیل جانا ہوگا۔ نہ آگ میں اٹھا کر پھینکا جائے گا۔ نہ سولی پر لٹکایا جائے گا۔

بس اصل سچ کو پورے اخلاص اور ہر طرح کے تعصب سے بلند ہو کر تلاش کرنا ہے اور پھر اسی کو پھیلانے کی کوشش کرنی ہے۔ یہی ہلکی سے آزمائش ہے۔ مگر اس کا اجر وہ ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس پہلو سے ہم انسانی تاریخ کے بہترین دور میں پیدا ہوئے ہیں اور بلاشبہ ہم سے زیادہ خوش نصیب دنیا میں کبھی کوئی نہیں گزرا۔ کاش ہمیں اس عظیم موقع کا احساس ہو جائے۔

جہاں رہیے بندگان خدا کے لیے رحمت بن کر رہیں، باعث زحمت نہ بنیے۔

مکاتیب

ابویحییٰ

خوف خدا اور جھوٹا پروپیگنڈا

محترمہ ماریہ ہمایوں صاحبہ 6 فروری 2016

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

'جب زندگی شروع ہوگی' کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ مجھے اس بات کی بے حد خوشی ہے کہ آپ اور آپ کے شوہر نے یہ کتاب ایک ساتھ بیٹھ کر پڑھی۔ اللہ آپ کو اور آپ کو شوہر کو اپنے فضل سے نوازے اور دین و دنیا کی بھلائی عطا فرمائے۔

اللہ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو لاکھوں لوگوں کی ہدایت کا سبب بنایا ہے اور آج کے دن تک بنا رہا ہے اور انشاء اللہ العزیز بنا تا رہے گا۔

جہاں تک معترضین کا سوال ہے تو میں نے اس طرح کے تمام جھوٹے پروپیگنڈے کا جواب اپنی کتاب تیسری روشنی میں جمع کر دیا ہے۔ آپ انذار کی ویب سائٹ www.inzaar.org سے اس کتاب کو فری ڈاؤن لوڈ کر سکتی ہیں۔

آپ اس کتاب کا مطالعہ کیجیے اور خود فیصلہ کیجیے۔ کوئی سوال مجھ سے کرنا ہے تو میں حاضر ہوں۔ میں صرف یہ توجہ دلاؤں گا کہ ہم سب حالت امتحان میں ہیں۔ اور امتحان کی ایک نوعیت وہ ہوتی ہے جس میں بعض لوگ ہدایت کی کسی بات کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر ہم ایسے بے بنیاد اور جھوٹے پروپیگنڈے کا شکار ہو جائیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔ اگر سچائی کا ساتھ دیں گے تو اجر عظیم کے حقدار ہوں گے۔ اب آپ کے لیے اللہ نے ایک

امتحان پیدا کر دیا ہے۔ فیصلہ آپ کو خود کرنا ہے اور اللہ کو جواب بھی آپ ہی کو دینا ہے۔

باقی جن صاحب نے اس جھوٹے پروپیگنڈے کا آغاز کیا تھا ان کو ایک ذاتی خط لکھ کر میں نے ان کو خدا کا خوف دلایا اور کچھ اخلاقی سوالات کیے تھے۔ مگر انھوں نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور بدستور اپنے جھوٹے پروپیگنڈے میں مصروف رہے۔ میرے خط کے محض دو برس بعد خدا نے ان کی مہلت عمل ختم کر دی اور کینسر کے مرض میں ان کا انتقال ہوگیا۔ اب میرے جن سوالوں کا جواب انھوں نے مجھے ذاتی طور پر دینا تھا کل قیامت کے دن سارے انسانوں کے سامنے ان کو ان سوالات کا جواب دینا ہوگا۔ کاش ہمارے نام نہاد مذہبی لوگ اس حقیقت کو جان لیں کہ پروردگار عالم کے سامنے کھڑے ہو کر اس طرح کے اخلاقی سوالوں کا جواب دینا اتنا آسان نہیں جتنا انھوں نے سمجھ رکھا ہے۔ ان لوگوں کو یہ بات سمجھ آ جائے تو یہ لوگ آج ہی اپنے وہ ہاتھ تن سے جدا کر دیں گے جن سے یہ جھوٹا پروپیگنڈا لکھتے ہیں اور اپنی وہ زبان کاٹ کر پھینک دیں گے جس یہ جھوٹا پروپیگنڈا پھیلاتے ہیں۔ مگر کیا کیجیے، مذہبی لوگوں سے زیادہ خدا سے بے خوف میں نے اور کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کی کشتی بھر کر ہی ڈوبتی ہے۔

بہرحال آپ خدا کے خوف سے کام لے کر ذمہ داری سے کوئی فیصلہ کیجیے۔ میرا یہ خط اس گروپ میں شائع کر دیں جہاں پر یہ اعتراض کیا گیا ہے شاید اللہ نے اس اعتراض کرنے والے کے نصیب میں ہدایت لکھی ہو اور میرا یہ خط اس کو شیطان کے راستے پر چلنے سے روک دے۔

والسلام علیکم

ابو یحییٰ

سوال و جواب

ابو یحییٰ

تہذیب اور شائستگی

سوال:

السلام علیکم

میں نے 'جب زندگی شروع ہوگی' کا دوسرا حصہ پڑھا۔ اس کی تعریف کے الفاظ نہیں ملتے۔ لیکن ایک کنفیوژن ہے کہ آپ نے جب مرزا قادیانی کا ذکر کیا تو وہ بھی عزت اور تکریم کے الفاظ سے یعنی ''انھیں''اور''انھی'' کے الفاظ کے ساتھ کیا۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ اس عزت کا مستحق ہے۔

جواب:

السلام علیکم

فیڈ بیک اور پسندیدگی کا شکریہ۔

اس کتاب یعنی ''قسم اس وقت کی'' کے شروع میں میں نے توجہ دلائی ہے کہ ہمیں تہذیب اور شائستگی کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔ دوسرے اگر گمراہ ہوتے ہیں تو کیا میں بھی اپنے نبی کا طریقہ چھوڑ دوں؟

مزید یہ کہ غیر شائستہ رویہ اختیار کر کے ہم کسی کے پیروکاروں پر اس کی غلطی واضح نہیں کرسکتے۔ جبکہ ہمارا مقصد راہ راست سے ہٹ جانے والوں کو درست راہ کی دعوت دینا ہے۔ دعوت اگر مقصد ہے تو شائستگی تو اختیار کرنا ہوگی۔

والسلام علیکم

باہمی معاملات میں ظلم اور حق تلفی

سوال:

السلام علیکم

امید ہے کہ آپ اور آپ کے اہل خانہ بخیریت ہوں گے۔ مجھے ایک معاملے میں آپ کی رائے درکار ہے۔ معاملہ یہ ہے کہ دو لوگوں نے 50/50 حصے سے شراکت داری کے ساتھ ایک بزنس کمپنی کا آغاز کیا۔ اس میں یہ صورت حال درپیش ہے:

ا۔ ایک حصہ دار کا کہنا ہے کہ دونوں حصہ داروں میں سے کسی ایک کی موت کی صورت میں پوری کمپنی دوسرے حصہ دار کی ملکیت ہوگی۔

۲۔ دوسرے حصہ دار کا کہنا ہے کہ نہیں! بلکہ یہ دونوں حصہ داروں کے لواحقین کی ملکیت ہی ہوگی۔

جو صاحب کہتے ہیں کہ کسی ایک حصہ دار کی موت کی صورت میں کمپنی صرف زندہ بچ جانے والے حصہ دار کی ہی ملکیت ہوگی ان کی فیملی دوسرے حصہ دار کی فیملی سے کوئی تعلق رکھنے پر راضی نہیں ہے کیونکہ وہ ان پر بھروسہ نہیں کرتے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا پہلی صورت میں دونوں حصہ داروں کی باہمی رضامندی سے ایسا کوئی معاہدہ کرنا اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہے؟، مجاہد۔

جواب:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اصل اصول یہ ہے کہ باہمی معاملات میں حق تلفی اور ظلم نہیں ہونا چاہیے۔ بہترین شکل تو یہ تھی کہ اگر کسی فریق کو دوسرے کے لواحقین پر اعتماد نہیں تو پھر اس کے انتقال کے ساتھ ہی شراکت داری ختم کردی جائے۔ لوگوں کو ان کے حصے ادا کر دیے جائیں۔ یا ایک شخص دوسرے کے انتقال کے بعد اگر کاروبار سنبھالتا ہے تو دوسرے کے لواحقین کو ان کا مکمل حصہ ادا کردے۔ اس

کے بعد وہ کاروبار سنبھال لے تو کوئی حرج نہیں۔

تاہم چونکہ ہر کیس میں بہت سی باتیں اسی صورتحال اور ان افراد کے حوالے سے خاص ہوتی ہیں اس لیے فریقین کو باہمی سمجھوتے سے کسی نتیجے پر پہنچنے کا حق حاصل ہے۔ بس یہ بات ذہن میں رہے کہ حق تلفی اور ظلم کی پوچھ قیامت کے دن کی جائے گی۔

گناہ کا بدلہ

سوال: السلام علیکم

سر میرا ایک سوال ہے۔ ہمارے ایک عیسائی ٹیچر نے ہمیں بتایا ہے کہ بائبل میں ''گناہ کی مزدوری موت ہے''۔ پھر انہوں نے کچھ مسلم طلبا سے پوچھا کہ اسلام میں گناہ کی مزدوری کیا ہے؟ قرآن تمہیں کیا بتاتا ہے؟ میرا جواب دینے کا ارادہ تھا لیکن میں نہیں دے پائی کیوں کہ مجھے جواب معلوم ہی نہیں تھا۔ اس میں مجھے آپ کی مدد چاہیے۔ حنا امجد

جواب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

یہ سینٹ پال کے الفاظ ہیں جو رومیوں کے نام ان کے ایک خط کا حصہ ہیں۔ قرآن میں گناہوں کا بدلہ جہنم ہے ان لوگوں کے لیے جو توبہ کر کے خدا کی سیدھی راہ کی طرف نہ آئیں۔ اگر کوئی گناہگار توبہ کر کے خدا کی سیدھی راہ کی طرف آ جائے تو اللہ تعالیٰ ان گناہوں کو معاف فرما کر ان کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیتے ہیں اور ایسا کرنے والے کو جنت کی ابدی زندگی عطا فرمائیں گے۔

ابو یحییٰ

پروفیسر محمد عقیل

کورٹ مارشل

ہمارے ملک میں کئی طرح کے طبقات موجود ہیں جن میں سے ایک فوج اور سویلین کی تقسیم ہے۔ وہ لوگ جو فوج میں شامل ہوتے ہیں بالعموم انہیں دیگر طبقات کے مقابلے میں زیادہ مراعات ملتی ہیں جن میں پلاٹس، فری میڈیکل کی سہولیات، بعد از ریٹائرمنٹ ملازمت کا حصول اور سوسائٹی میں اعلی مقام وغیرہ شامل ہیں۔ دوسری جانب سویلین افراد ان سہولیات سے محروم ہوتے یا انہیں اس درجے میں حاصل نہیں کر پاتے ہیں۔

اس تفریق کے باوجود یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فوج کے لوگوں پر جس قسم کے سخت قوانین اور ڈسپلن لاگو ہوتا ہے وہ عام سویلین پر نہیں ہوتا۔ ایک فوجی ملازمت سے آسانی سے استعفٰی نہیں دے سکتا، اس کی آزادانہ نقل وحرکت پر چیک رکھا جاتا ہے، اسے نظم وضبط کا پابند بنانے کے لئے سخت ٹریننگ سے گزارا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ فوجیوں کو ڈسپلن کی خلاف ورزی پر عام عدالتوں میں نہیں بلکہ فوجی کورٹ مارشل یعنی فوجی عدالت میں مقدمہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے جس کے قوانین اور سزائیں کافی سخت ہوتی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ملک میں ایک عدالتی نظام موجود ہے تو کورٹ مارشل یا فوجی عدالتوں کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فوج ملک کے حساس اداروں میں سے ایک ہے۔ اس کا کام ملک کا دفاع ہے۔ اس ادارے میں معمولی سی غلطی، جرم، بغاوت یا سازش ملک و قوم کو خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ اسی لئے اس ادارے سے منسلک افراد کو ایک سخت قسم کے نظم وضبط کا پابند کیا جاتا ہے۔ اس ڈسپلن کی خلاف ورزی پر سخت قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں جو عام عدالتوں کے برعکس کافی سخت تصور کی جاتی ہیں۔

کچھ اسی سے ملتی جلتی تفریق عام مسلمانوں اور دین کے داعیوں کے درمیان بھی پائی جاتی ہے۔

ایک شخص جب تک عام مسلمان ہے تو اس پر عام قوانین ہی لاگو ہوتے ہیں۔ لیکن جب ایک شخص خدا کے دین کا داعی بن جاتا، اس کے دین کا پرچار کرتا، اس کی توحید کو دنیا میں روشناس کراتا اور اس کے دین کا علمبردار بن جاتا ہے تو اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ ایک جانب تو اس کا اجر بہت بڑھ جاتا ہے۔ وہ اپنے وقت، علم، قابلیت اور توانائی کو دین کے کاموں میں لگا کر خدا کا تقرب حاصل کرسکتا ہے، جنت میں اعلی درجات پاسکتا اور اپنا مقام بہت بلند کرسکتا ہے۔ دوسری جانب اس کی زندگی پر فوجی ڈسپلن لاگو ہوجاتا ہے۔ اس کی ذمہ داریوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اسے عام مسلمانوں سے زیادہ تقوی، صبر، تعلق باللہ، عبادات اور اخلاقیات میں اپنی اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ سب وہ اس لئے کرتا ہے تاکہ اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہوجائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے داعی کے لئے لازم ہے وہ اپنی ذات پر عام لوگوں سے زیادہ چیک لگائے۔ وہ دوسروں سے زیادہ اپنے عیوب پر نظر رکھے، وہ لوگوں سے زیادہ اپنے آپ کو تنقید کے لئے پیش کرے۔ وہ ہر لمحہ اسی فکر میں غلطاں ہو کہ کہیں وہ دوسروں کی اصلاح کرتے کرتے خود کو فراموش نہ کر بیٹھے، وہ دوسروں کے دامن کو آگ سے بچاتے بچاتے خود اپنے وجود کو شعلوں کی نذر نہ کردے، لوگوں کے نفس کا تزکیہ کرتے کرتے خود اپنی شخصیت کو ہی آلودہ نہ کر بیٹھے۔

خدا کے نزدیک ایسا شخص بہت برا ہے جو لوگوں کو سچائی کا درس دے اور خود جھوٹ بولے، ناحق قتل کی مذمت کرے خود اس کے ہاتھ خون میں رنگے ہوں، محبت کا درس دے لیکن خود کے سینے میں نفرتوں کے سانپ لوٹ رہے ہوں، بدگمانی سے منع کرے مگر اپنے حریفوں کے بارے میں حسن ظن کو گناہ سمجھے، نفاق کو برائی بیان کرے اور خود دوغلے پن کا مظاہرہ کرے۔

اگر ایک داعی نے اپنی شخصیت کی اصلاح بھی کی اور اللہ کا پیغام بھی لوگوں تک پہنچایا تو اس کا اجر دوگنا ہے۔ جنت کے اعلی باغات اس کے منتظر ہیں۔ دوسری جانب اگر اس نے اپنی ذات کو آلودہ کردیا اور اسی حالت میں خدا کے حضور پہنچا تو اس کی سزا دوگنی ہے۔ اب اس کا کیس خدا کی خصوصی عدالت میں چلے گا جہاں کی پکڑ اور سزا عام سزاؤں سے دوگنی اور اذیت ناک ہوگی۔

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (29)

دلائل نبوت و رسالت

نبی کی دعوت کا علم و فطرت کے ہر میزان پر پورا اترنا

نبی کی دعوت

نبوت و رسالت کے ضمن میں ابھی تک ہم نے چار پہلوؤں سے اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ قرآن مجید کس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو ثابت کرتا ہے۔ پہلی دلیل آپ کی سیرت و شخصیت کے پہلو سے پیش کی گئی کہ ایسی بے مثل سیرت کا انسان خدا پر کبھی جھوٹ منسوب نہیں کرسکتا۔ دوسری اور تیسری کا تعلق نبی کے کلام کی نوعیت سے ہے کہ اس طرح کا معجزانہ کلام جو خدائی اسلوب میں ماضی اور حال اور مستقبل کی یکساں خبر دے رہا ہو وہ انسانی کلام نہیں ہوسکتا۔ چوتھی دلیل کا تعلق سابقہ صحف سماوی کی پیش گوئیوں سے تھا جو نبی عربی کے حوالے سے صدیوں سے ان کتب میں موجود ہیں۔ اور آج ہم پانچویں اور آخری دلیل کا مطالعہ کریں گے۔

نبی کی صداقت کی پانچویں دلیل خود نبی کی اپنی دعوت کا متن اور اس کے مشمولات اور اس کی تعلیمات ہیں۔ نبی ایک دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خالق سے اذن پا کر مخلوق میں کھڑا ہوا ہے۔ اس پر آسمان سے وحی اترتی ہے اور وہ اپنا نہیں بلکہ خدا کا کلام لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ یہ دعویٰ اگر غلط ہے تو پھر ایسا شخص نبی نہیں ہوتا بلکہ ایک کذاب ہوتا ہے۔ پھر اس کی تعلیم عقل و فطرت اور اخلاقیات کے معیارات، سابقہ انبیا کی تعلیمات اور جدید علمی دریافتوں سے بار بار ٹکرا جائے گی۔ ایسی تعلیم نہ معاصرین کے اعتراضات برداشت کرسکتی ہے اور نہ زمانہ کی دستبرد اور شیاطین

کی دراندازی ہی سے خود کو محفوظ رکھ سکتی ہے۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ نبی عربی کی تعلیمات ان تمام معیارات پر کھری ثابت ہوتی ہیں۔اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نبی کی دعوت اور عقل وفطرت کے معیارات

سب سے پہلے مسلمہ عقلی ،فطری اور اخلاقی معیارات کو لیجیے۔اسلام کی تعلیم بالکل سادہ ہے۔ایک خدا پر ایمان لاؤ جو تم سب کا خالق اور مالک ہے۔اس نے یہ دنیا انسانوں کے امتحان کے لیے بنائی۔ یہاں امتحان یہ ہے کہ کون اچھے کام کرتا ہے۔جو یہ کرے گا وہ اگلی اور ابدی دنیا میں بہترین جزا پائے گا اور جو نہیں کرے گا وہ اپنے انجام سے دوچار ہوگا۔یہ وہ باتیں ہیں جو انسان کی عقل، فطرت اور مسلمہ اخلاقی معیارات کے عین مطابق ہیں۔ان پر ہم تفصیل کے ساتھ توحید وآخرت کے دلائل میں گفتگو کر کے یہ بتا چکے ہیں کہ دین کی یہ بنیادی تعلیم کس طرح ہر پیمانے پر پوری اترتی ہے۔

اس کے برعکس ذرا دیکھیے کہ دیگر مذاہب اور نظریات کس طرح کی غیر عقلی اور غیر فطری باتیں پیش کرتے ہیں۔مثلاً ملحدین یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اس کائنات کا کوئی خدا نہیں۔جبکہ کائنات میں موجود نظم وتوافق اور اس زمین پر موجود ربوبیت اور پرورش کا وہ سامان جس پر توحید کے دلائل میں ہم تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں،اس بات کو کسی طور قبول نہیں کرتا کہ یہ سب کچھ محض بخت واتفاق کی کارفرمائی ہے۔مسیحی حضرات عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔جبکہ عقل انسانی یہ کہتی ہے کہ کھانے پینے والا ایک فانی انسان کسی بھی طرح ایک لافانی اور غیر مادی خدا کا حصہ نہیں ہوسکتا۔یہودیت ایک خاص نسل کو خدا کا گھرانہ قرار دیتی ہے۔اخلاق اور ضمیر کے کس پیمانے پر یہ درست مانا جاسکتا ہے کہ خدا سارے انسانوں میں سے صرف ایک گروہ کو محض اس بنیاد پر کہ وہ ایک خاص نسل سے تعلق رکھتے ہیں اپنا خصوصی قرب عطا کرے۔ہندومت لاتعداد دیوی

دیوتاؤں، بت پرستی، چار طبقات میں انسانوں کی مستقل تقسیم کے علاوہ آواگون کا وہ غیر فطری نظریہ پیش کرتا ہے جس میں کسی سزا پانے والے کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ پچھلے جنم میں اس کے کیا جرائم تھے جن کی وہ سزا بھگت رہا ہے۔ بدھ مت ترک دنیا کی وہ دعوت دیتا ہے جو سننے اور دیکھنے میں جتنی بھی اچھی لگے، کسی صورت قابل عمل نہیں ہے۔ یہ اس دنیا میں موجود اہم ترین مذاہب اور نظریات کا حال ہے۔ ان کے علاوہ دیگر مذاہب اور نظریات کا معاملہ بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔

یہ ایمانیات کا معاملہ ہے۔ دین کی اخلاقی تعلیم کا معاملہ بھی اس سے جدا نہیں ہے۔ یہ تعلیم انسانوں کے انسانوں سے تعلق کو احسان اور عدل کے اصول پر قائم کرتی ہے۔ دین کی یہ تعلیم زندگی کے ہر سرد و گرم میں انسان کو اعلیٰ اخلاقی اصولوں پر قائم رکھتی اور دین و دنیا اور خالق و مخلوق کے حقوق کا ایک بہترین توازن برقرار رکھتی ہے۔ یہ مرد و عورت کے تعلق کو جانوروں کے آزاد تعلق کے بجائے عفت اور نکاح کے اس فطری تعلق پر استوار کرتی ہے جہاں بشری تقاضے اپنی تسکین بھی پاتے ہیں اور خاندان کا مضبوط ادارہ بچوں اور بوڑھوں کا بھرپور تحفظ بھی کرتا ہے۔ یہ تعلیم خالق کی شکرگزاری کا سبق دیتی ہے اور ساتھ میں مخلوق پر ظلم کرنے سے روکتی ہے۔ اور کسی مذہب میں انسان کے حیوانی، روحانی اور اخلاقی وجود کی ایسی تسکین نہیں جیسی دین کی اس تعلیم میں ہے۔

یہی نہیں کہ یہ تعلیم عقل و فطرت کے عین مطابق ہے۔ بلکہ ہر دور میں انبیا و صالحین جس دعوت کو بہترین راستہ سمجھ کر پیش کرتے آئے ہیں یہ اس کے عین مطابق ہے۔ یہ تعلیم حضرت آدم کی فطری تعلیم سے لے کر حضرت نوح کی موحدانہ دعوت کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ حضرت ابراہیم کے اخلاق سے لے کر حضرت موسیٰ کی شریعت تک کی تکمیل کرتی ہے۔ یہ انبیائے بنی اسرائیل کی موعظت سے لے کر حضرت لقمان کی بے مثل حکمت کی تفصیل کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ

لوگوں نے زمانے سے متاثر ہوکر یا اپنی خواہشات وتعصّبات کے زیر اثر جن بوجھ اور بیڑیوں میں خود کو دین کے نام پر جکڑ لیا تھا، نبی عربی کی یہ تعلیم ان سارے بوجھوں کو اتارنے اور ساری بیڑیاں کھولنے کا فریضہ بھی سرانجام دیتی ہے،(اعراف 157:7)۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دعوت کا یہی پہلو اسے تمام مذاہب میں ممتاز بناتا ہے۔ ہر انسان جو اپنی خواہش اور تعصب سے بلند ہو جائے اسے اپنی فطرت کی آواز سمجھ کر اسے قبول کرتا ہے اور اس کی عقل اور ضمیر، اسلام کی تعلیمات پر بالکل مطمئن رہتے ہیں۔ جیسے رسول اللہ کے معاصرین اور آج کے سلیم الفطرت لوگ جنھوں نے اس دعوت کو سن کر پورے اعتماد کے ساتھ نہ صرف اسے قبول کیا بلکہ اس کے حق میں گواہی دی۔

نبی کی تعلیمات کی ابدیت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے تین اجزاء تھے۔ ایک ایمان کی دعوت یعنی توحید و آخرت جو دین کی اصل بنیاد ہے۔ دوسرے اخلاقی تعلیمات جو کہ عمل صالح اور ہر خیر وفلاح کا معیار ہے اور تیسرے آپ کی عطا کردہ شریعت جو فرد اور سماج کو ہر دور میں ایک قابل عمل ڈھانچہ عطا کرتی ہے۔ ان کے علاوہ آپ نے اپنی دعوت کے حق میں بہت سے دلائل پیش کیے جن میں انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی خدائی نشانیوں کی طرف توجہ دلائی گئی۔ یہ تعلیمات چونکہ آخری نبی کو دی گئی تھیں اس لیے یہ قیامت تک کے لیے خدا کی آخری رہنمائی تھی۔ اس تعلیم کا اگر احاطہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں سائنس اور سماجیات سے لے کر فلسفہ و اخلاق جیسے ہمہ گیر موضوعات کو بالواسطہ یا بلاواسطہ زیر بحث لایا گیا ہے۔

اس پیغام کے نزول پر کم وبیش ڈیڑھ ہزار برس گزر گئے ہیں۔ اس دوران میں دنیا زرعی دور سے صنعتی دور اور اب انفارمیشن ایج میں داخل ہو چکی ہے۔ سائنس اور سماجیات کے شعبے میں ایسا

انقلاب برپا ہو چکا ہے کہ اس کی نظیر انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مرد و زن کے تعلق، حکومت و سیاست کے نظام، معاشی اور سماجی پہلوؤں سے انسانی معاشرے کچھ سے کچھ ہو چکے ہیں۔ خود مسلمان دنیا کی سول سپر پاور کے مقام سے گر کر دو دفعہ ذلت اور مغلوبیت کا شکار ہو گئے۔ مگر حیرت انگیز طور پر نبی عربی کی تعلیمات زمانے کی اس تمام تر تبدیلی کے مقابلے میں پوری شان سے کھڑی رہیں اور آج تک کھڑی ہوئی ہیں۔

قرآن مجید کی دعوت کے وہ دلائل جو سرتا سر انفس آفاق کی نشانیوں پر مبنی ہیں اور جن کی بہت کچھ تفصیل ہم نے توحید و آخرت کے دلائل میں کی ہے، فلسفے و سائنس کی ہر یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے بہت ہیں۔ سائنس نے کیا کیا دریافتیں نہ کرلیں، مگر قرآن میں موجود ایک آیت میں بھی کسی غلطی کی نشان دہی نہ ہوسکی۔ بائبل کے ابتدائی جملے پڑھ کر سائنسی معلومات رکھنے والا ایک شخص اس پر سے اعتماد کھو دیتا ہے کیونکہ اس کا آغاز ہی اس بیان سے ہوتا ہے کہ خدا نے دنیا کو ان چھ دنوں میں پیدا کیا جن میں سے ہر دن میں صبح بھی ہو رہی تھی اور شام بھی ہو رہی تھی یعنی یہ پیر، منگل، بدھ والے ہفتے کے چھ ایام تھے۔ اس کے برعکس قرآن مجید بھی کائنات کی تخلیق کا حال جگہ جگہ بیان کرتا ہے، مگر مجال ہے کہ کوئی لفظ بھی ایسا ہو جس پر اعتراض ہو سکے۔

دوسری طرف دیکھیے تو آج انسانی سماج کہاں سے کہاں پہنچ گیا، مگر اسلام کی تعلیم پر کوئی حرف نہ آسکا۔ اس کی اخلاقی تعلیم ہر اعتبار سے افراط و تفریط سے پاک اور ہر دور میں قابل عمل رہی۔ اس کی شریعت ہر زمانے کے تقاضوں کے عین مطابق رہی۔ اس ضمن میں ایک حقیقت بڑی دلچسپ ہے جس کی طرف ہم قارئین کی توجہ دلانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ جس طرح ہم نے پچھلی دلیل میں یہ دیکھا تھا کہ نبی کریم کی سچائی کا ایک ثبوت یہود و نصاریٰ نے غیر شعوری طور پر

فراہم کردیا تھا،اسی طرح ایک دوسرے پہلو سے یہ ثبوت ہم مسلمانوں نے غیرشعوری طور پر فراہم کردیا ہے۔ وہ یہ کہ بدلتے ہوئے زمانے میں بے شک اسلامی تعلیم کے نام پر رائج کچھ چیزیں نا قابل عمل قرار پائیں اور کچھ چیزوں کا غلط ہونا ثابت ہوا ہے،مگران میں سے کسی چیز کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل دعوت سے ہرگزنہیں ہے۔ غلطی اگرکہیں ثابت ہوئی اورکوئی چیز قابل ترک اگرٹھہری ہے تو وہ اہل اسلام کے اپنے اجتہادات اورآراء تھیں جو ایک زمانے میں قابل قبول بھی تھیں اور قابل عمل بھی،مگر نبی کی دعوت، نبی کی شریعت، نبی کی تعلیمات آج کے دن تک ہر اعتبار سے ہر علمی اعتراض اور ہر عملی مسئلے کے مقابلے میں پا برجا کھڑی ہیں۔یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ جوانسانی کام تھا وہ زمانے کی گردش کا مقابلہ نہیں کرسکا اور جو نبی لے کر آئے تھے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اوراسی لیے آج تک اپنی جگہ موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔

نبی کی تعلیمات کی حفاظت

نبی کی دعوت حق کی دعوت ہوتی ہے۔حق کی دعوت کو ہمیشہ باطل کی طرف سے شدید اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ نبی کی دعوت کو بھی یہ اندیشہ ابتداء ہی سے لاحق ہے۔مگر چونکہ اس دعوت کے پیچھے خود پروردگار عالم کی ہستی موجود تھی اس لیے اس دعوت کی حفاظت کا بھرپور انتظام کیا گیا۔ آسمان سے زمین تک وحی اتارنے کا فریضہ خود فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام نے سرانجام دیا۔نزول قرآن کے دور میں آسمان کو ہر طرح کے شیاطین کی دراندازی سے محفوظ کرنے کے لیے بھرپور انتظام کیے گئے۔جس کی گواہی خود خدا نے،فرشتوں اور جنوں نے دی۔ ایک شخص جو خدا،فرشتوں اور جنوں کو نہیں مانتا شاید قرآن کے ان بیانات پر تعجب کرے گا۔ مگر اللہ نے دعوت حق کی حفاظت کا خارج کی نظر آنے والی دنیا میں بھی اہتمام کیا ہے۔ یہ اہتمام

دعوت حق کی حفاظت کے ساتھ اس دعویٰ کی سچائی کا زندہ ثبوت بن گیا۔ مثلاً یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری زندگی بدترین دشمنوں میں گھرے رہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے اس فیصلے کا اعلان کر دیا کہ آپ وہ پیغام لوگوں تک پہنچاتے رہیں جو آپ پر نازل کیا گیا ہے۔ اللہ آپ کو لوگوں سے بچالے گا۔ چنانچہ پوری زندگی تمام مشرکین عرب، یہودیوں اور نصاریٰ کی تمام ترکوششوں کے باوجود وہ لوگ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اور آپ اطمینان سے اپنا مشن مکمل کر کے اور دین کو غالب کر کے فطری طور پر دنیا سے رخصت ہوئے۔

یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے عین اس دور میں جب مسلمانوں کو اپنی جان بچانا مشکل تھا، یہ اعلان کر دیا تھا کہ یہ قرآن ہم نے نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت ہم ہی کریں گے۔ قرآن کا یہ چیلنج بعینہٖ پورا ہوا۔ اور یہ کلام الٰہی جو نبی کی اصل تعلیم ہے آج کے دن تک محفوظ ہے۔ اور شیاطین کی تمام ترکوششوں کے باوجود انشاء اللہ ہمیشہ محفوظ رہے گا۔ نبی کی دعوت اور تعلیمات کے یہی وہ پہلو ہیں جو اس بات کا زندہ ثبوت ہیں کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں اور آپ کا لایا ہوا کلام دراصل اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ چنانچہ یہی وہ گواہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دی ہے، فرشتوں نے اس کی تائید کی ہے اور ہم بھی دل و دماغ کے پورے اطمینان، قلب ونظر کی پوری یکسوئی اور علم وبصیرت کی مکمل روشنی میں اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کی تائید کرتے ہیں:

اللہ اس چیز کی گواہی دیتا ہے جو اس نے تم پر نازل کی ہے کہ اس نے اسے اپنے علم کے ساتھ ہی نازل کیا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہی کے لیے تو اللہ ہی کافی ہے، (النساء4:166)۔

قرآنی بیانات

’’بے شک یہ قرآن اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو

جو نیک عمل کرتے ہیں اس بات کی بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔''
(اسراء 9:17)

''کہہ دو، میرے رب نے میری رہنمائی ایک سیدھے رستے کی طرف فرما دی ہے۔ دین قیم ابراہیم کی ملت کی طرف جو یکسو تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے۔'' (انعام 161:6)

''یہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی تو تم بھی انہی کے طریقے کی پیروی کرو۔ اعلان کر دو، میں اس پر تم سے کسی صلہ کا طالب نہیں۔ یہ تو بس عالم والوں کے لیے ایک یاد دہانی ہے۔'' (انعام 90:6)

''اے رسول، تمہاری طرف جو چیز تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اس کو اچھی طرح پہنچا دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا۔ اور اللہ لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کافروں کو ہرگز راہ یاب نہیں کرے گا۔'' (مائدہ 67:5)

''اس (قرآن) کو جلدی سیکھ لینے کے لیے اس کے پڑھنے پر اپنی زبان کو جلدی نہ چلاؤ۔ ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا اور اس کو سنانا تو جب ہم اس کو سنا چکیں تو اس سنانے کی پیروی کرو، پھر ہمارے ہی ذمہ ہے اس کی وضاحت کرنا۔'' (القیامہ 75: 19-16)

''یہ یاد دہانی ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' (الحجر 15 :9)

''کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حکم ڈھونڈوں درآنحالیکہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف کتاب اتاری مفصل اور جن کو ہم نے کتاب عطا کی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے حق کے ساتھ تو تم ہرگز شک میں پڑنے والوں میں سے نہ ہو رہو۔''

(انعام 114:6)

''وہ (یعنی نبی) ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے اور ان کے لیے پاکیزہ چیزیں جائز ٹھہراتا ہے اور خبیث چیزیں حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور پابندیاں اتارتا ہے جو ان پر اب تک رہی ہیں۔'' (اعراف 157:7)

''اور جن کو علم عطا ہوا ہے وہ، اس چیز کو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے، سمجھتے ہیں کہ یہی حق ہے اور وہ خدائے عزیز وحمید کے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔''

(سبا 34 :6)

''یہ ایک باعزت رسول کا لایا ہوا کلام ہے۔ وہ بڑی ہی قوت والا اور عرش والے کے نزدیک بڑا ہی بارسوخ ہے اس کی بات مانی جاتی اور وہ نہایت امین بھی ہے۔''

(تکویر 81 :19-21)

''کہہ دو، مجھے وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن کو سنا تو انہوں نے اپنی قوم کو بتایا کہ ہم نے ایک نہات دل پذیر قرآن سنا جو ہدایت کی راہ بتاتا ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور اب ہم ہرگز کسی کو اپنے رب کا شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور یہ کہ ہمارے رب کی شان بہت بلند ہے، اس نے اپنے لیے نہ کوئی بیوی بنائی ہے نہ کوئی اولاد اور یہ کہ ہمارا بے وقوف (سردار) اللہ کے بارے میں حق سے بالکل ہٹی ہوئی باتیں کہتا رہتا ہے۔ اور یہ کہ ہم نے گمان کیا کہ انسان اور جن خدا پر ہرگز کوئی جھوٹ نہیں باندھ سکتے۔ اور یہ کہ انسانوں میں سے کچھ ایسے بھی تھے جو جنوں میں سے بعض کی دہائی دیتے رہے ہیں تو انہوں نے ان کی شامت ہی میں اضافہ کیا اور یہ کہ انہوں نے بھی تمہاری ہی طرح یہ گمان کیا کہ اللہ کسی کو مرنے کے بعد زندہ کرنے والا نہیں ہے اور ہم نے آسمان کا جائزہ لیا تو دیکھا کہ وہ سخت پہرہ داروں اور شہابوں سے بھر دیا گیا اور ہم اس کے بعض ٹھکانوں میں کچھ سن گن لینے کو بیٹھا کرتے تھے پر اب جو بیٹھے گا تو وہ ایک شہاب کو اپنی گھات میں پائے گا۔'' (جن 72 :1-9)

''ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور خود ان کے اندر بھی یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یہ قرآن بالکل حق ہے۔ اور کیا تیرے رب کا ہر بات کا شاہد ہونا کافی نہیں ہے!'' (فصلت 41 :53)

فرح رضوان

صدقہ اورصبر

ماں جی مجھے تو آج پتہ چلا شاہین خالہ ایک ایسے دور سے بھی گزری ہیں جب ان کی اور خالو جی کی سٹوری اینڈ ہونے لگی تھی ،کمال ہے ناں یقین ہی نہیں آتا ان کی آپس کی محبت اور مزاج آشنائی کو دیکھ کر کہ ایک زمانے میں دونوں کے بیچ اتنے فاصلے تھے۔ مجھے تو رشک آتا ہے جب میں ان کی ایک دوسرے سے انسیت اور مہربانی دیکھتی ہوں ان کے پرسکون پراعتماد بچوں کو دیکھتی ہوں۔

ماں جی نے آج اپنی پرانی سہیلیوں کزنز وغیرہ کو گھر پر مدعو کیا ہوا تھا، پرانے دوست ملیں اور یادوں کے دریچے نہ کھلیں یہ تو ممکن نہ تھا۔تو جہاں یہ سب اپنی باتوں میں مگن تھیں وہیں ان کے ساتھ آئی ہوئی بہو بیٹیاں بھی اس بیٹھک سے لطف اندوز ہورہی تھیں۔اور اب ان کی بہو صبا جو مہمانوں کے جانے کے بعد کچن سمیٹنے میں مصروف تھی،ساتھ ہی ساتھ آج کی دعوت پر تبصرہ بھی کررہی تھی ''ماں جی پتہ ہے یہ اچھا آئڈیا ہے کہ ہم سب کبھی کبھی یوں اکٹھا ہوا کریں، جیسے میں آپ سے دوسروں کے بارے میں پوچھ رہی ہوں باقی کی سب نئ لڑکیاں آپ بزرگ لڑکیوں کے تجربے سے فائدہ حاصل کریں گی ،اور ویسے بھی آج آپ سب کتنا خوش تھے یہ انرجی کسی دوا یا غذا سے تو نہیں ملنے والی نہیں ناں۔''

ماں جی نے مسکرا کر اس کی بات دہراتے ہوئے کہا ہاں واقعی آج ہم بزرگ لڑکیوں نے تو بہت مزہ کیا اور جب شاہین کی پرانی یادیں تازہ ہوئیں تو میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ ،نئ بچیوں کو سمجھنا چاہیے کہ زندگی میں آج کیے گئے ایک آسان لیکن غلط اور ایک مشکل ترین لیکن درست فیصلے سے اگلے پندرہ بیس سال بعد کیا کیا خیر یا شر کے در کھل سکتے ہیں۔

اس اثناء میں ماں جی فریج (Fridge) میں تمام چیزیں رکھ چکیں تو پانی کا گلاس تھامے کرسی پر بیٹھ گئیں، صبا بھی برتن جگہ پر رکھ کران کے سامنے جا بیٹھی جس کی آنکھوں میں سوال تھا پھر کیا ہوا؟

ماں جی پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولیں اپنی بہن کی درست حکمت عملی کی وجہ سے آج میں بہت بڑے گناہ سے بچ گئی ہوں صبا، ورنہ اس کے بچوں میں نہ یہ خود اعتمادی ہوتی نہ والدین کی عزت و محبت۔ بیس سال پہلے شاہین کے میاں قمر بھائی پر ہم سب گھر والوں کو وہ غصہ تھا کہ حد نہیں۔ نہ وہ کسی تقریب میں آ سکتی نہ کسی کے گھر ملنے جا سکتی، شک اتنا کرتے کہ حد نہیں اور خود کا کردار ..... خیر چھوڑو، جب وہ تائب ہو چکے تو ہم کیوں کسی کی پردہ دری کریں۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے ۔۔۔۔وہ شاہین کو نہ جانے کتنا ذلیل کرتے ہونگے ہمیں تو پتہ بھی نہیں لیکن اندازہ اس لیے ہے کہ وہ تو ہماری ہی بات بات پر کھنچائی کر ڈالتے ،ان حالات میں بچوں کے ساتھ ہر وقت سر پر طلاق کی تلوار لٹکی رہتی جس سے تنگ آ کر ہم سب بہن بھائیوں نے فیصلہ کیا کہ اب قمر بھائی سے دو دو ہاتھ کر کے ہم خود ہی خلع لے لیں۔ جب بھائی اچھا کماتے ہیں دوسروں کو اتنا اتنا کچھ دیتے ہیں تو بہن کو رکھنا کیا مشکل تھا، میرے مزاج میں بھی اس زمانے میں تیزی بہت تھی اور بہن کی محبت میں میری چاہت تھی کہ وہ اس شخص کی قید سے فوری آزاد ہو جائے۔ تب ہماری اماں جی بھی حیات تھیں وہ بھی اسی بات کے حق میں تھیں۔ ایک شاہین ہی تھی جو ادھر میاں کو جھیل رہی تھی ادھر ہماری طرف سے شہ دینے پر بھی ٹس سے مس نہ ہوتی۔ اس کا ایک ہی جواب تھا مجھے اللہ کی مدد کافی ہے۔

پھر ایک روز جب میں اور اماں جی مل کر اسے سمجھانے گئے تو اس وقت اس نے بہت سختی سے مجھ سے کہا کہ ''آپا میں نے بہت بڑا سودا کر لیا ہے اپنے رب سے، جو میں دیکھ رہی ہوں کل کو

ان شاء اللہ تم بھی دیکھ لوگی ۔ٹھیک ہے کہ بڑے بھائی صاحب بہت کھلے ہاتھ سے خرچ کر سکتے ہیں، چھوٹے بھیا کل کو ان سے زیادہ بہتر پوزیشن میں ہوں گے۔آج میں ان کی زندگی میں چلی گئی تو وہ جی بھر کر مجھ پر میرے بچوں پر خرچ کریں گے لیکن باپ کی کمی پوری نہیں کر سکیں گے جو میں ہرگز نہیں چاہتی ۔میں چاہتی ہوں کہ میرے اس فیصلے کو اختیار کرنے کے بدلے بس یہ ہو جائے کہ جب کبھی میرے بھائی اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اس فکر سے آزاد کہ ان کو اپنی بہن کے بچوں کی فیس ادا کرنی ہے ،گھر کے خرچ میں ہاتھ بٹانا ہے، بھانجی کی شادی کرنی ہے،وہ بھرپور خوشی سے گھومیں پھریں تو،اللہ تعالیٰ میرے حصے میں اس تمام رقم کے صدقے کا ثواب لکھ دے، وہ اللہ کی راہ میں کچھ بھی خرچ کریں اس میں میرا بھی حصہ لکھ دیں۔صدقہ مشکلوں کو ٹال دیتا ہے۔مجھے یقین ہے کہ ان شاء اللہ میں اس طرح نیت کر کے وہ سب اجر پا سکتی ہوں جو میں خود تو اپنے مالی حالات کی وجہ سے خرچ کر نہیں سکتی لیکن اپنا گھر چھوڑ جانے کی صورت میں ان کو مجھ پر چاہتے نہ چاہتے کرنا ہی پڑتا اور جو صدقہ جہنم کی آگ کو بجھا سکتا ہے میری زندگی میں لگی آگ کو بھی ان شاء اللہ ضرور بجھا دے گا۔''

اور دیکھ لو صبا اللہ تعالیٰ کیسے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہے،بمشکل دو ایک سال گزرے ہوں گے کہ میری شاہین کی کایا پلٹ ہوگئی ،وہ ہنستی تھی مجھ پر کہ آپا اگر کسان کو یقین نہ ہو کہ وہ جو ہل چلا کر زمین پر اپنا خون پسینہ ایک کر رہا ہے کل کو رب تعالیٰ مردہ بیج سے کونپل نکالے گا اوپر سے برسات ہوگی کھیتی سرسبز ہوگی تو وہ کچھ نہ کرے،تب پتہ ہے وہ اکیلا نہیں ہم سب بھوکے مر جائیں۔

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (32)

گائرسن

اردو سے اگلا شہر گائرسن تھا۔ یہ شہر سمندر کنارے سبز پہاڑوں پر واقع تھا۔ مین روڈ سے نکل کر ہم شہر میں داخل ہوئے۔ ایک سڑک اوپر پہاڑ پر جا رہی تھی۔ میں نے گاڑی کو اس سڑک پر ڈال دیا۔ سڑک کا زاویہ بہت ہی گہرا تھا۔ ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گاڑی ابھی آگے سے اٹھ جائے گی اور پھر رول ہوتی ہوئی نیچے سمندر میں جا گرے گی۔ تھوڑی دیر میں ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ اب ایک نہایت ہی حسین نظارہ ہمارے سامنے تھا۔ ہمارے سامنے سمندر تھا جس کے بیچوں بیچ ایک سرسبز چٹان نکلی ہوئی تھی۔ آسمان پر گھنے بادل تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ دور بادل گویا سمندر کو مس کر رہے تھے۔

چوٹی پر بہت سے گھر بنے ہوئے تھے۔ پہاڑ کے دوسری جانب گائرسن شہر تھا۔ چوٹی سے لے کر نیچے تک سرخ چھتوں والے گھر ہی گھر تھے۔ ہر گھر کی چھت پر سولر پینل لگا ہوا تھا تاکہ شمسی توانائی سے بجلی پیدا کی جا سکے۔ نیچے ایک قبرستان تھا جس کی قبریں بالکل ہمارے طرز کی تھیں۔

ایک جگہ گاڑی کھڑی کر کے ہم چٹان کے کنارے کی طرف بڑھے تاکہ یہاں سے سمندر اور گائرسن شہر کی تصویریں لی جا سکیں۔ ادھر ایک ترک اماں اور ان کے دو بیٹے لکڑیوں کے گٹھے اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ ان سے سلام دعا ہوئی۔ انہیں بھی ہمارے پنجاب کے دیہاتیوں کی طرح ہمارے بارے میں بہت تجسس ہوا۔ اماں نے ایک لڑکے سے کچھ کہا اور وہ گھر کے اندر سے جا کر اپنی بہن کو بلا لایا۔ ان خاتون کو اچھی خاصی انگریزی آتی تھی۔ انہوں نے ہمارا انٹرویو کیا اور ہمیں چائے کی دعوت دی۔ اس کے بعد انہوں نے اپنی زبان میں یہ تفصیلات اپنی والدہ

کے گوش گزار کر دیں تا کہ ان کا تجسس ختم ہو سکے۔

ہم ان کا شکریہ ادا کر کے واپس مڑے اور ہائی وے پر واپس آ گئے۔ اب وہی منظر ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔ ہمارے دائیں طرف سبزے میں ڈھکے پہاڑ تھے اور بائیں جانب سمندر۔ آسمان پر سرمئی بادل تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ یہاں بادل صرف خشکی پر تھے۔ ساحل کے اوپر پہنچ کر بادل اس طرح ختم ہو رہے تھے جیسے کسی نے باقاعدہ چھری سے انہیں ساحل کے ساتھ ساتھ کاٹ دیا ہو۔

ٹائر بولو، آئی نیسل، چارشی باشی سے گزرتے ہوئے اب ہم ترابزن کے قریب پہنچ رہے تھے۔ اچانک ایک بورڈ ہمارے سامنے آ گیا جس میں دائیں طرف تیر کا نشان دیا ہوا تھا اور بورڈ پر لکھا تھا: ''سیرا گولو، 5 کلومیٹر۔'' ہمیں چونکہ جھیلوں سے عشق تھا، اس وجہ سے ہم بھی اسی جانب چل پڑے۔ ہمارے ساتھ ساتھ ایک دریا چل رہا تھا جس میں اس وقت پانی کم تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم جھیل کے کنارے پہنچ گئے۔ یہ مٹیالے پانی کی جھیل تھی جو سرسبز پہاڑوں کے بیچ میں تھی۔ پہاڑوں پر سبزہ تو اچھا تھا مگر جھیل بہت زیادہ خوبصورت نہ تھی۔

ترابزن سے متعلق بروشرز میں ایک خوبصورت جھیل کی تصویر دی گئی تھی۔ میں نے بروشر نکالا تا کہ دیکھا جائے کہ یہ وہی جھیل ہے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ دوسری جھیل ہے جس کا نام ''یوزن گولو'' ہے۔ یہاں کچھ ترک لڑکے کھڑے تھے۔ میں نے انہیں یوزن گولو کی تصویر دکھا کر اس کا راستہ پوچھا۔ وہ کہنے لگے، ''آپ دوبارہ ساحل یولو پر چلے جائیے۔ ایک گھنٹے کے سفر کے بعد آپ کو اس کا بورڈ نظر آ جائے گا۔''

جھیل سے ہم دریا کے ساتھ ساتھ سمندر کی جانب بڑھے۔ ساحل یولو پر پہنچے تو یہ گولڈن دریا سمندر میں مل رہا تھا۔ جہاں تک اس کا پانی جا رہا تھا، وہاں سمندر کا رنگ مختلف تھا۔ یہ ''اکچا

آباد'' کا قصبہ تھا۔اب ہم ترابزن شہر میں داخل ہورہے تھے۔ پاکستان کی طرح ترکی کے بہت سے شہروں کے نام کے ساتھ ''آباد'' کا لاحقہ استعمال ہوتا ہے۔ان کے ہاں ایک اور لاحقہ ''شہر'' بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اسکی شہر وغیرہ۔

ترابزن

ترابزن بلیک سی پر واقع ترکی کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے۔اس کا شمار بڑے شہروں میں ہوتا ہے۔ یہ ایک قدیم شہر ہے جہاں انسانی آبادی کے آثار 7000 قبل مسیح سے ملتے ہیں۔ یہاں 1263ء کا تعمیر کردہ مشہور ''آیا صوفیہ'' بھی واقع ہے جو استنبول کے آیا صوفیہ کی ایک شاخ ہے۔اس کی تفصیل ہم استنبول پہنچنے پر بیان کریں گے۔

ترابزن آٹھویں صدی عیسوی یا دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ یہ رومی سلطنت کی ایک اہم چھاؤنی تھی۔مسلم دور میں ترابزن کو بین الاقوامی اہمیت حاصل ہوئی جب یہ ایک اہم تجارتی مرکز بن گیا۔ یورپ کی مصنوعات بذریعہ بلیک سی ترابزن میں لائی جاتیں اور یہاں سے یہ مال ایران کے راستے ہندوستان اور چین کی طرف بھیج دیا جاتا۔اسی طرح ہندی اور چینی مصنوعات ترابزن سے بذریعہ سمندر یورپ اور روس پہنچائی جاتیں۔

مشہور اطالوی سیاح مارکو پولو بھی اسی راستے سے چین کی طرف گئے تھے۔چین میں طویل عرصہ گزارنے کے بعد واپسی پر وہاں کے بادشاہ نے ان کی ذمہ داری لگادی کہ وہ ایک شہزادی کو ایران چھوڑ دیں جس کی شادی ایران کے بادشاہ سے طے پائی تھی۔ایک طویل بحری سفر کے بعد جب یہ قافلہ ایران پہنچا تو معلوم ہوا کہ بوڑھے بادشاہ سلامت جہان فانی سے گزر گئے ہیں۔ یقیناً اس کا علم ہونے پر مارکو پولو کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہوگی کہ اب شہزادی کو واپس پہنچانے کے لئے دوبارہ چین جانا پڑے گا۔اس وقت ان کی خوش قسمتی آڑے آئی اور ابا جان کی

بجائے، اس کے بیٹے نئے بادشاہ کو چینی شہزادی پسند آ گئی۔ اس نے شہزادی سے شادی کر لی۔ مارکو پولو نے جان چھوٹنے پر یقیناً خدا کا شکر ادا کیا ہو گا۔ اس کے بعد ایران سے مارکو پولو ترابزن پہنچے اور بحری جہاز میں بیٹھ کر اپنے وطن روانہ ہو گئے۔

انیسویں صدی میں اس علاقے پر کچھ عرصے کے لئے روس کا قبضہ بھی رہا ہے جو بعد میں عثمانی افواج نے چھڑا لیا۔ اس زمانے میں روسی افواج نے مختلف ممالک میں جنوب کی طرف پیش قدمی کی تھی۔ بحیرہ کیسپین کے دوسری جانب انہوں نے ترکمانستان، ازبکستان، تاجکستان اور کرغیزستان پر قبضہ کیا اور بحیرہ کیسپین اور اسود کے درمیان جارجیا، آذربائیجان، آرمینیا اور ترکی پر فوج کشی کی۔

سڑک سے ترابزن شہر کی قدیم فصیل نظر آ رہی تھی جو سیاہ رنگ کے پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ یہاں ساحل یولو پر ٹریفک کافی جام تھا۔ یہاں سے نکل کر ہم مزید آگے بڑھتے چلے گئے۔ اب تک ساحل کے ساتھ ساتھ ہم مشرق کی جانب سفر کرتے آئے تھے مگر اب سڑک ساحل کے ساتھ ساتھ شمال کی طرف رخ کر رہی تھی۔ ترابزن سے باہر نکلتے ہی ہمیں تیز بارش نے آ لیا۔ ہم جدہ میں بارش نہ ہونے کے باعث اس نعمت سے ترسے ہوئے تھے۔ میں نے فوراً گاڑی روکی اور باہر نکل کر بارش میں نہانے کو انجوائے کرنے لگا۔ ماریہ بھی باہر نکل آئی۔ موسلا دھار بارش میں بلیک سی خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں اتنا گیلا ہوتا کہ گاڑی خراب ہوتی، میں واپس آ کر بیٹھ گیا۔

یوزن گولو کا پہلا نظارہ

کچھ دیر بارش سے لطف اندوز ہونے کے بعد ہم آگے بڑھے۔ ترابزن کے بعد "یومرا" اور "اراکلی" کے قصبے آئے۔ اس کے بعد ہم لوگ "آف" پہنچ گئے۔ یہاں پہاڑوں کی جانب

"یوزن گولو" کی طرف راستہ نکل رہا تھا۔ سڑک کے ساتھ ساتھ ایک پختہ کناروں والا نالہ بہہ رہا تھا۔ ہم اس نالے کے ساتھ والی سڑک پر ہو لئے۔ تھوڑی دور جا کر پختہ کنارے ختم ہو گئے۔ اب ہم ایک شور مچاتے ہوئے تیز دریا کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے تھے۔ اس دریا کو ہم دریائے سوات سے تو نہیں البتہ وادی کاغان کے دریائے کنہار سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔

دریا کے دونوں جانب کافی بلند سرسبز پہاڑ تھے۔ ان پہاڑوں کی خصوصیت یہ تھی کہ یہاں بلندی پر زمین ہموار کر کے چائے کے باغات لگائے گئے تھے۔ یہ ترابزن کی مشہور چائے تھی۔ تھوڑی دور جا کر "چیکارہ" کا قصبہ آیا۔ قصبے کے قریب ہی ایک خوبصورت منظر ہماری نگاہوں کے سامنے تھا۔ پتلی سی ایک آبشار نالے کی صورت میں پہاڑ سے گر رہی تھی۔ اس کے اوپر چھوٹا سا پل بنا کر سڑک کو گزارا گیا تھا۔ اس سے سو میٹر کے فاصلے پر ایک بہت بڑی آبشار دریا میں گر رہی تھی۔ جہاں آبشار دریا میں گر رہی تھی، وہاں پر دریا کے دوسرے کنارے گھنے درخت تھے۔ ان ہرے بھرے درختوں کے درمیان عین دریا کے کنارے ایک ٹنڈ منڈ سا خشک درخت کھڑا تھا۔ ہدایت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ بعض لوگ اللہ کے پیغمبر کے زمانے میں ہوتے ہوئے بھی ہدایت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

ہم کچھ دیر کے لئے یہاں رک گئے۔ گاڑی کا تھرمامیٹر اب 14 ڈگری سینٹی گریڈ کا اعلان کر رہا تھا۔ باہر نکلے تو کافی سردی محسوس ہوئی۔ میں نے ڈگی کھول کر گرم فل شرٹ نکالی اور اپنی ٹی شرٹ کے اوپر پہن لی۔ کچھ دیر آبشار کی قدرتی موسیقی سے لطف اندوز ہونے کے بعد ہم آگے روانہ ہوئے۔

پروین سلطانہ حنا

آخری سانس تک

کس قدر چاہ سے
یاد کے ہاتھ نے
دل کی دیوار پر
اِک گھڑی نصب کی ہے ترے پیار کی
دھڑکنوں کی طرح جو رکی ہی نہیں
زندگی میں مری آخری سانس تک
ذکر تیرا کروں، اور کرتی رہوں
صبح سے دوپہر
اور پھر شام تک
شب کا پہلا پہر
ہو کہ نصف رات تک
آخری بات تک
قلب مسکن ہے میرا تری یاد کا
تیرے رنگ، تیری خوشبو، تری ذات کا
آنکھ بھی ہم سفر ہر قدم پر رہی
یاد بھی پھوار بن کر برستی رہی
ذکر کی کہکشاں جگمگاتی رہی
دھڑکنیں ساز پر گیت گاتی رہیں
اور یہ سوچیں تجھے گنگناتی رہیں
زندگی میں مری آخری سانس تک

ابو یحییٰ کی کتابیں

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

حکمت کی باتیں

حکمت کی وہ باتیں جو دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں

ملاقات

اہم علمی، اصلاحی، اجتماعی معاملات پر ابو یحییٰ کی ایک نئی فکر انگیز کتاب

کھول آنکھ زمین دیکھ

مغرب اور مشرق کے سات اہم ممالک کا سفر نامہ

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ''جب زندگی شروع ہوگی'' کا دوسرا حصہ

پیغام رحمت

حضرت انس بن مالک رضی للہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن خفیف ترین عذاب والے دوزخی سے اللہ فرمائے گا: اگر تیرے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں تو کیا آج عذاب سے چھوٹنے کے لیے تو وہ سب چیزیں دے دے گا؟ دوزخی کہے گا جی ہاں۔ اللہ فرمائے گا: جب تو آدم کی پشت میں تھا اس وقت میں نے تجھ سے اس سے بہت زیادہ آسان چیز کی خواہش کی تھی کہ (پیدا ہونے کے بعد) میرے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دینا، مگر تو بغیر شرک کے نہ رہا۔

(متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، تو پوچھنے لگا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے زیادہ کس کا حق ہے کہ میں اس کے ساتھ (نیک) سلوک کروں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیری ماں کا۔ پوچھا پھر کس کا؟ فرمایا: تیری ماں کا۔ اس نے پھر پوچھا کس کا؟ آپ نے پھر فرمایا: تیری ماں کا۔ اس نے عرض کیا پھر کس کا؟ فرمایا: تیرے باپ کا۔

(بخاری جلد سوم حدیث نمبر 912)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باپ جنت (کے اندر داخل ہونے) کا وسطی دروازہ ہے۔ اگر تم چاہو تو اس کی نگہداشت کرو یا (چاہو تو) کھو دو۔ (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک مسلمان کو اپنے دین کامل میں اس وقت تک (معافی کی) گنجائش رہتی ہے جب تک وہ حرام طریقے سے کسی کا خون نہ بہائے۔ (بخاری، حدیث 6862)